جون / 89ء

قد افلح من تزکّٰی و ذکر اسم ربہ فصلّٰی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاھد من جاھد نفسہ (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم، صدیقِ دوراں، مجددِ طریقت، مجتہد فی التصوف، بحرِ علوم شریعت، قلزمِ فیوض و برکات،

امامِ اولیاء، شیخِ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان علیہ الرحمۃ

مقامِ اشاعت

دار العرفان ۰ منارہ ۰ ضلع چکوال

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جلد: ۱۰ — شمارہ: ۸

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

ماہنامہ المرشد

دار العرفان
منارہ
ضلع چکوال

ذیقعد ۱۴۰۹ھ — جون ۱۹۸۹ء

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبدالرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکی ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکی ڈالر

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست

اداریہ

ضرورتِ ذکر	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۳
اسلام مسلمان اور تھرڈ ورلڈ	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۱۲
عاشق رسول	حافظ عبدالرزاق	۲۲
یہ تیرے پراسرار بندے	قاری	۲۷
سوال آپ کا، جواب شیخ المکرم		۳۰
شریعتِ اسلام اور تصاویر		۳۷
انجانے میں خود سے دھوکہ	قاریہ	۳۹
اصلاح قلب	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۴۲

طابع وناشر: حافظ عبدالرزاق ○ مطبوعہ: اکرام پرنٹرز۔ ریٹی گن روڈ لاہور ○ مقام اشاعت: دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

اس وطن میں دس کروڑ مسلمان رہتے ہیں، اسی دیس میں اللہ اور رسولؐ کے نام پر مر مٹنے والے جیالے بستے ہیں۔ علوم دین کی کمی نہیں، علمائے دین کی کمی نہیں، واعظوں اور خطیبوں کی کمی نہیں، دینی سیاسی جماعتوں کی کمی نہیں، دینی سیاسی ہنماؤں کی کمی نہیں، اسلامی نظام حکومت کیلئے کوشش کرنیوالوں کی کمی نہیں۔ اس کے باوجود ہم پر عذاب مسلط ہے اور مزید عذاب تباہی و بربادی کے انتظار میں اس دیس کے مسلمان سہمے بیٹھے ہیں، آخر کیوں؟

ہمارے پاس آج بھی وہی قرآن موجود ہے، اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی نبوت موجود ہے، قرآن و نبوت کی برکات تقسیم کرنیوالے بھی موجود ہیں۔ پھر محرومی کیوں؟ حال تو یہ ہے کہ کنواں موجود، کنویں میں ٹھنڈا لذیذ پانی موجود، پلانے والے بھی موجود، پھر یہ پیاس کیسی؟ پیاسوں کی بے بسی اور بدحالی کیسی؟ پیاس سے تڑپنا اور تڑپ تڑپ کر مرنا کیسا؟ شاید پیاس نے پیاسوں کو اس قدر بدحال کر دیا ہے کہ ان کو نہ کنواں، نہ پانی، نہ پانی پلانے والے نظر آتے ہیں یا شاید پلانے والوں اور پیاسوں کے درمیان وہ نقال مجمع لگائے حائل ہو گئے ہیں جو اس نعمت الٰہی کے دام وصول کرتے ہیں پھر خالی کٹورا پکڑا کر پیاسوں کی سادگی اور بے بسی پر قہقہے لگاتے ہیں۔ آخر یہ بے بسی کیوں؟ یہ محرومی کیوں؟ اس عذاب میں کب تک رہیں گے؟ اذیتوں پر صبر و شکر کیوں اور کب تک کرینگے؟ کیا لاؤڈ سپیکروں پر خطبے اور تقریریں سن سن کر ہماری اذیت میں کمی آجائیگی؟ کیا مناظروں، مباحثوں اور فتووں سے اس قوم کی تقدیر بدل جائیگی؟

تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی ہوئی، اسوقت کے مسلمان بھی اسی حال کو پہنچے تھے جسمیں آج ہم ہیں۔ علما کی خدمات، ان کی قدر و عظمت سے انکار نہیں، ان ہی کی کاوشوں سے دین اور شریعت کی تعلیم ہم تک پہنچی ہے —— آج کے علما نے علم ضرور سیکھا لیکن اس کی اہمیت اور زندگی کو شریعت کے تابع کرنیکے فن سے بیگانہ رہ گئے۔ دین کو اپنا ذریعہ معاش بنا کر وہاں تک محدود کر دیا اور مسلمان قوم کو اسلام کی اصل روح، افادیت اور اسکی برکات سے محروم رہنے دیا۔ اسی لیے آج ہماری زبان پر اللہ اور اسکے رسولؐ پر اِقْرَارٌ بِاللِّسَان تو ہے لیکن تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ سے محروم ہیں۔ ہماری زبان پر اللہ کا کلام تو ہے لیکن اسکے اثر کو قلب تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔ نبوت کے ظاہری حصے کو مان لیا اور باطنی حصے کو نہ صرف نہ مانا بلکہ رد کر دیا۔ نتیجہ یہ ملا کہ ہم انفرادی اور بحیثیت مسلمان قوم کمزور اور ذلیل و خوار ہو گئے۔ ذہنی اور روحانی بدحالی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ آپس میں دست و گریباں ہو کر اپنے اوپر عذاب کو مسلط کر کے خود کو بے بس کر دیا۔ اب وقت ہے مردہ دلوں کو زندہ کرنیکا، تاریک قلوب کو روشن کرنیکا۔ نفرتوں کو محبت میں بدلنے کا، نفاق کو اتفاق میں ڈھالنے کا۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ اپنے دلوں میں اللہ کی محبت کو بسائیں۔ دنیا کے ناخداؤں کی خوشامد چھوڑ کر اللہ کی خوشنودی کو اپنا نصب العین بنائیں۔ اس وطن میں دینی سیاسی جماعتیں بہت ہیں لیکن اللہ کے نام کی سربلندی کیلئے کوئی تحریک نہیں۔ اسلام کے نام پر جو بھی تحریک ہو گی اگر اسمیں اسلامی تصوف نہیں تو وہ تحریک نہ چل سکتی ہے نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ تصوف ہی دین کا ایک ایسا شعبہ ہے جہاں برائیوں، کدورتوں، نفرتوں اور گناہ کے کیچڑ سے لت پت دلوں کی دھلائی، صفائی اور مرمت ہوتی ہے۔ ان دلوں میں محبت بھری جاتی ہے، جذبے زندہ کیے جاتے ہیں۔ اسطرح ان مردہ دلوں کو ایک کامیاب تحریک کیلئے تیار کیا جاتا ہے جس سے انفرادی زندگی بدل جاتی ہے، اخروی زندگی کے راستے صاف اور روشن ہو جاتے ہیں، قوموں میں ایسے انقلاب برپا ہو جاتے ہیں کہ نہ صرف ظالموں، غاصبوں، لٹیروں اور بدکاروں کی حکمرانی سے نجات ملتی ہے بلکہ عدل و انصاف اور امن سے بھرپور، پرسکون اور خوشحال معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ تصوف کے بغیر کوئی تحریک ایسے انقلاب کا سبب نہیں بن سکتی۔ تصوف میں مقصد صرف ایک ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا۔ اگر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو وہ اپنے بندوں کو سنبھال لیتا ہے۔ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ سب دنیا پر بلند اور غالب رہو گے جب تک پورے مسلمان رہو گے۔"

تاج رحیم

ضرورتِ ذکر

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

دو طرح کے علوم انسان کے حصے میں آئے ہیں جو اسے باقی مخلوق پر فضیلت بخشتے ہیں۔ ایک علم کا تعلق بدن سے ہے جسم سے ہے جو عقل کی سلامتی کے ساتھ ہر فرد حاصل کر سکتا ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ دوسری طرح کے علم کا تعلق اللہ جل شانہٗ کی عظمت سے آگاہی سے ہے واقفیت سے ہے اور یہ علم انسانی تجربات سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کریم خود تعلیم فرماتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور انبیاء سے امتی حاصل کرتے ہیں اس کے لیے دل کی سلامتی شرط ہے چونکہ دنیوی علوم کا محل ہی انسانی ذہن اور دماغ ہے لیکن دینی علوم کا محل ہی قلب ہے۔ نزول کلام باری آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا۔

اور جن قلوب کو نور ایمان نصیب ہوا۔ وہی اس قلب سے مستفید ہو سکے ورنہ کافر اور مومن برابر تھے بظاہر آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو جس طرح مومن دیکھتا تھا کافر بھی دیکھتا تھا لیکن رب جلیل فرماتے ہیں۔ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡكَ وَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ آپ کی طرف نظر تو کرتے ہیں لیکن انہیں چونکہ وہ مادی اور عقلی ذرائع سے ہی پرکھتے ہیں ان کے دلوں میں وہ انابت الٰہی نہیں ہے تو محض عقلی نگاہ سے جب دیکھتے ہیں تو انہیں آپ دکھائی نہیں دیتے۔ وہ محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے تو دیکھتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے آپ کو نہیں دیکھتے اور یہی بات عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب وہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور صلح حدیبیہ کے وقت اہل مکہ کی طرف سے سفارت کے فرائض لے کر آئے تو صلح نامہ حدیبیہ جب لکھا جانے لگا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ لکھ رہے تھے تو انہوں نے جب شروع ہی کیا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا۔ اس نے فوراً اعتراض کیا کہ بھئی محمد بن عبداللہ لکھو اگر ہم محمد رسول اللہ تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا کس بات کا ہم راستہ کیوں روکیں حرم میں کیوں نہ داخل ہونے دیں اس بات پر تو جھگڑا ہے اور واقعی ان کی بات بہت کھری تھی کہ جب تک دل قائم نہیں ہوتا اپنی حیات نہیں پاتا اپنی سمع و بصارت کی قوت نہیں پاتا ادراکات نہیں پاتا

عقل دینی علوم کو سمجھنے کی استعداد ہی نہیں رکھتی۔

عقل کو آپ خاموش تو کرا سکتے ہیں عقلی دلائل سے منوا نہیں سکتے کیونکہ اس کے دائرہ کار میں ہی یہ بات نہیں آتی۔ آپ دیکھیں انبیاء کے علاوہ اس دنیا میں فلسفے کے کیمیا کے طب کے بڑے بڑے ماہر ہو گئے ہیں اور ہم اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ اس دور کے انسان نے بہت چیزیں ایجاد کر لی ہیں ہر زمانے میں اللہ کریم نے انسانی عقول کو بیش بہا چیزوں کے علوم عطا فرمائے اور بڑی بڑی عجیب و غریب چیزیں ایجاد ہوئیں۔

میں اگلے دن دیکھ رہا تھا ساحل سمندر کے بارے بحث کر رہے تھے کہ اس سمندر کے نیچے ساری تہذیب انسانی ہے مکانوں کے آثار ہیں برتن ہیں ہڈیاں اور کھوپڑیاں ہیں یوں پتہ چلتا ہے یہ کسی زمانے میں بڑا عظیم تھا اور جس طرح کے کھنڈرات کے نمونے برتنوں کے نمونے کے شواہد وہاں سے ملے ہیں اس طرح کے انہوں نے ماڈل بنائے ہیں اور اتنی خوبصورت عمارتیں ہیں کہ اس طرح کی آج بھی نظر نہیں آتیں۔ یعنی اس زمانے میں بھی وہ لوگ کہیں اللہ کی گرفت میں آ گئے اور غرق کر دیے گئے آج وہاں سینکڑوں فٹ پانی کھڑا ہے سمندر ہے وہ نیچے دفن ہیں۔

تو ہر زمانے میں انسانی عقول نے بے شمار ایجادات کیں اور پھر قومیں تباہ ہوتی رہیں زوال آشنا ہوتی رہیں لیکن ساری ایجادات کے باوجود عقل صرف انسان کے پیدا ہونے سے لیکر مرنے تک کی اس کی جسمانی زندگی پہ بحث کرتی ہے روح کے بارے کوئی لب کشائی نہ کر سکا۔ آخرت کے بارے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ عقل سے دریافت کرتا۔ ذات باری اور صفات باری بندے اور مالک کے تعلقات عقل سے کسی فلسفی نے کسی بھی محقق نے اس طرف جرأت ہی نہیں کی کیونکہ عقل کا یہ موضوع ہی نہیں ہے اور جب بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی تو اللہ نے نبی اور اللہ کے رسولوں نے جنہیں اللہ کریم نے اپنی طرف سے علوم عطا فرمائے اور ان کے قلوب کو علوم کا خزانہ بنا دیا۔

میرے دوست بڑی عجیب بات ہے کہ دل علم سے آشنا نہ ہو اور دماغ علم سیکھ بھی جائے تو دماغ آرام کے ذرائع کم "تلاش" کرتا ہے اور ایذا دینے والی چیزیں زیادہ بناتا ہے۔ آپ مغربی محققین کو دیکھ لیں دوائیں کم ایجاد ہوتی ہیں تباہی کے اسباب زیادہ پیدا ہوتے ہیں آرام کے لیے چیزیں کم بنتی ہیں انسانوں کو ایذا دینے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد ہوتے ہیں۔

لیکن جب دل زندہ ہوتا ہے تو عقل انسانی کی رہنمائی کرتا ہے وہ بجائے خرابی کے وہ بہتری کے منصوبے سوچتا ہے برائی کی جگہ اچھائی کی طرف سوچ کر بڑھتا ہے۔ اور دل کی حیات کا مدار ہے رب جلیل کی یاد کرنا۔ اللہ اور بندے کا تعلق صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ کی یاد کو اپنے قلب کی گہرائی میں آباد کرے اس سے ایک عجیب بات حاصل ہوتی ہے اسے آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں لیکن آنکھوں کے دیکھنے سے زیادہ اس کی ذات پہ یقین پیدا ہو جاتا ہے ہاتھ اس کی ذات کو چھو نہیں سکتے ذہن اس کی تصویر یا مثال نہیں بنا سکتا لیکن دل اس سے آشنا واقف ہو جاتا ہے کہ وہ نہ بیان کر سکتا ہے نہ بتا سکتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتا بھی ہے اس کی بات بھی سنتا ہے اس کی پسند کے مطابق عمل بھی کرتا ہے اسے جانتا بھی ہے اس سے تعلق بھی بنا لیتا ہے اس سے مانگتا بھی ہے اس کی اطاعت بھی کرتا ہے۔

اب اس سے پوچھو کہ ایک کیفیت ہوتی ہے جیسے کوئی کسی عاشق سے پوچھیں عشق کیا ہے وہ کیا بتائے گا اب کوئی آدمی جو بھوک سے ساری زندگی آشنا ہی نہیں کسی فاقہ کش انسان سے پوچھے بھوک کیا ہوتی ہے وہ اسے کیا بتائے گا کیا ہوتی ہے۔ ہاں اسے بھوک میں مبتلا کر دو جو عشق کو جاننا چاہتا ہے جب خود عشق ہو جائے وہ یہ کہے گا کہ عشق ہے کیا ہوتا ہے اس کا رنگ کیا ہوتا ہے اس کی دلیل کیا ہے۔

تو جب یہ کیفیات ہمارے سامنے ہیں اس طرح اللہ جل شانہٗ کو ماننا جو ہے دل کی ایک کیفیت کا نام ہے اور وہ کس طرح سے ہوتی ہے کیسے ہوتی ہے۔ اس کا پتہ تب چلتا ہے جب وہ خود ہو جائے دیکھیں نا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رب جلیل کی عبادت اس طرح سے کرو جس طرح کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ یاد رکھیں یہ ایک قانون ہے کہ ناممکنات کا تصور بھی ممکن نہیں ہوتا جو چیز ممکن نہ ہو اور انسان کو کہہ دیا جائے کہ اس کا تصور کرو تو یہ ممکن نہیں۔ مرد سے توالد تناسل ممکن نہیں آپ کسی مرد کو کہہ دیں کہ وہ سالوں بیٹھ کر سوچتا رہے کہ میرے پیٹ سے بچہ پیدا ہو گا اس کا تصور بھی نہیں کر سکے گا یعنی ناممکن کا تصور بھی ناممکن ہوتا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم دیکھ رہے ہو۔ اللہ کریم فرماتا ہے نظر اسے دیکھ نہیں سکتی یعنی اس طرف حکم یہ ہے کہ نگاہ اسے دیکھ سکتی اس طرف حکم ہے کہ عبادت ایسی کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو تو یقیناً کوئی کیفیت ایسی ہے جو حاصل کی جا سکتی ہے کہ آدمی کو یہ یقین ہو جائے کہ میرا پروردگار میرے پاس موجود ہے اور وہ ذہنی دل کی حالت ہے جب پہ آپ اندازہ کریں تا کہ جب چند صحابہ کرام نور ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور ان غرباء میں سے تھے جو کئی پشتوں سے اہل مکہ کے غلام در غلام چلے آرہے تھے جنہیں وہ حکم نہیں دیتے تھے اشارہ کرتے تھے یہ کرو اور وہ دوڑ پڑتے تھے تو اب بظاہر ان کے پاس کوئی مادی اسباب نہیں کوئی بچانے والا بظاہر انسان نہیں کوئی ذریعہ نہیں کوئی سبب نہیں کفار مکہ برابر ظلم توڑ رہے ہیں صرف اس بات پہ کہ تم اللہ کے ایک ہونے کا انکار کر دو۔ تو کہتے ہے ایک ہم کیسے کر دیں ہے ہی ایک ہم کیسے کر دیں اس لیے کہ ان کے دل کو وہ کیفیت حاصل ہو گئی تھی گویا کہ وہ اللہ کریم کو روبرو دیکھ رہے ہیں وہ ان کے سامنے ہے کیسے کہتے کہ وہ ایک نہیں ہے اگر ان کے دل سے بھی اللہ کریم اس طرح غائب ہوتا کہ معاذ اللہ ہمیں معاف کرے جس طرح ہمارے قلوب سے غائب ہو جاتا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں چوری کر لیتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں خیال نہیں آتا۔ اگر ایک چھوٹا سا بچہ چار پانچ برس کا بچہ دیکھ رہا ہو تو ہم چوری نہیں کرتے۔ حیا آتی ہے کہ یہ بچہ دیکھ رہا ہے دوسرے کو بتا دے گا۔ اب اتنا یقین ذات باری کا حاصل ہو کہ میرا رب میرے ساتھ موجود ہے مجھے دیکھ رہا ہے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آدمی جرأت کرے ہم کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں اس لیے کہ ہماری عقل نے تو تسلیم کیا دل کو وہ کیفیت حاصل نہیں ہوئی جس کو دیکھنا کہتے ہیں۔ اور جن کا دل دیکھ رہا ہوتا ہے ان کا حال عجیب ہوتا ہے۔

میں ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی سوانح دیکھ رہا تھا تو اس میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ آپ حج کو تشریف لے گئے مشکل زمانہ تھا لوگ پیدل یا اونٹوں گھوڑوں پہ جاتے تھے تو آج کل کی طرح وہاں بھیڑ نہیں ہوتی تھی تو آج کل تو رات کو جاؤ دن کو جاؤ سال کے کسی مہینے میں جاؤ حج کا سماں ہوتا ہے اللہ کریم نے سفر آسان کر دیے ہیں جہاز پہ بیٹھتے ہیں اور پہنچ جاتے ہیں ہمیشہ حرم بھرا ہوا

> ہمارے سلسلے میں خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا ہی سے شیخ براہ راست آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر سے انوارات اپنے دل میں جذب کر کے طالب کے قلب پہ انڈیل دیتا ہے۔ یہ کام تو شیخ کا ہے مگر اس توجہ کے انوارات اور انوار قبول کرنا اور جذب کرنا طالب کا کام ہے۔
>
> طالب میں طلب اور جذب کی استعداد جب ترقی کرتی ہے تو شیخ کی توجہ خود بخود اس کی طرف ہونے لگتی ہے۔ اگر کوئی بے ذوق ہو کر مدتوں بیٹھا رہے۔ اسکی طرف توجہ نہیں ہوتی شاید اسی سنت اللہ کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھیں مگر دل متوجہ نہ ہو تو وہ ہاتھ خالی ہی لوٹتے ہیں۔
>
> (حضرت مولانا محمد اکرم)

ہوتا ہے تو اس زمانے میں کوئی کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا تھا خالی بھی مل جاتا تھا تو رات کو کہیں آدھی رات کو اٹھے کہ حرم شریف اکیلا ہوگا اور میں وہاں جا کر مناجات کروں گا۔ تو جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سخت آواز آتی ہے کہ نکل جاؤ میرے گھر سے دور ہو جاؤ یہاں سے تو پہلے تو وہ لرز گئے کہ ہاتف نے مجھے جھڑک دیا۔ لیکن پھر دیکھا تو آدمی طواف کر رہا تھا اور بڑا دیوانہ وار **لبیک لا شریک لبیک** وہ اپنی لے میں مست تھا اور پھر چند لمحوں بعد ہاتف کی جھڑک سنائی دی دفع ہو جاؤ میرے گھر کو آلودہ نہ کرو یہاں شورش کر و چلے جاؤ یہاں سے۔ تو، فرماتے ہیں جب وہ آدمی میرے سامنے سے گزرنے لگا تو پھیر پھیر کانپ رہا تھا میں نے اس کا بازو پکڑ لیا میں نے کہا کیوں دیتا یہ عذاب نازل کر رہا ہے جب تمہیں ہاتف سنا رہا ہے کہ نکل جاؤ تمہیں آواز سنائی نہیں دے رہی۔ تو اس نے کہا کہ جب تم نے سن لی ہے تو مجھے تو وہ مخاطب کر رہا ہے میں کیوں نہیں سن رہا تو وہ فرماتے ہیں میں نے کہا پھر

تم رک کیوں نہیں جاتے حرم سے نکل کیوں نہیں جاتے کیا خطہ زمین غرق کراؤ گے عذاب نازل ہوگا۔ کہنے لگا میں چلا تو جاتا ہوں لیکن کوئی دوسرا دروازہ نظر ہی نہیں آتا کہاں جاؤں۔ کہاں جاؤں وہ قبول کرے تو بھی یہی ہے وہ رد کر دے تو بھی یہی ہے اس کے علاوہ کوئی دروازہ ہے ہی نہیں کہاں جاؤں تو وہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ تجلیات رحمت نے اس شخص کو گھیر لیا۔

یعنی جب دل سے دیکھنا نصیب ہوتا ہے تو وہ جھڑکتا ہے اٹھ جاؤ تو کہتے ہیں اٹھ کے کہاں جائیں گے جھڑک ملے گی تو بھی یہی پیار کرے تو بھی یہی ہے اور اگر دل کی نگاہ نہ ہو تو پانچ دفعہ وہ بلاتا ہے روز بلاتا ہے ہم کہتے ہیں ہم فارغ نہیں ہیں۔ دیکھیں نا کتنا فاصلہ ہے کہ ہمارا دماغ سنتا ہے نگاہ دیکھتی ہے عقل مانتی ہے اور پھر ہم کہتے ہیں یہ ضروری کام ہے یہ نبٹا لوں یہ کر لوں آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج کپڑے صاف نہیں ہیں ہزار بہانہ ہوتا ہے لیکن جب دل دیکھ رہا ہوتا ہے تو دنیا کو چھوڑو وہ آزمائش کے لیے تجربے کے لیے خود ہمت دیتا ہے ان فرشتوں کو دکھانے کے لیے جنہوں نے کہا تھا بار الٰہی پیدا کرے گا تو یہ فساد کرے گا۔ تو دکھاتا ہے کہ دیکھو میرے بندوں کو اگر فساد کرنے والے ہیں تو ایسے بھی ہیں انہیں شیطان بہکا کر کہاں لے جائے گا میں خود انہیں کہتا ہوں اٹھ جاؤ یہ نہیں اٹھتے۔ اس لیے فرمایا تھا شیطان کو بھی فرمایا تھا روز ازل فرمایا تھا۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور جو تیرے ہوں گے ان کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ جو مجھے چھوڑ کر تیری بندگی اختیار کریں گے ان کی میں پرواہ نہیں کرتا جو مجھے کیا پرواہ ہے دلی ہوگا تو ان کا اور جو میرے ہونگے ان کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ تو کچھ نہیں کر سکتا۔

تو یہ دل کی روشنی جو ہے دل کا زندہ ہونا جو ہے، دل کا اطمینان جو ہے اس کا مدار ذکر الٰہی پر ہے یہ کیسے آئے گا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ نصیب کیسے ہوگا نبی اور غیر نبی کی تعلیم میں ایک بنیادی فرق ہے نبی کے علاوہ جتنے معلم ہیں وہ الفاظ پہنچاتے ہیں نبی صرف الفاظ نہیں پہنچاتا نبی الفاظ کے ساتھ ایک کیفیت بھی منتقل کرتا ہے اسے کہتے ہیں فیوضات نبوت جن میں تعلیمات نبوت ایک الگ شعبہ ہے برکات نبوت ایک الگ شعبہ ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ۔ دعوت الی اللہ اور تزکیہ قلب اس کے بعد وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔ تعلیم کتاب و حکمت آتی ہے جب تک دل کا تزکیہ نہ ہو دماغ الفاظ رٹ لیتا ہے ان میں کیفیت پیدا نہیں ہوتی دماغ کہتا ہے یہ حرام ہے یہ حرام ہے دل کہتا ہے یہ کھاؤ دماغ کہتا ہے یہ کام منع ہے دل کہتا ہے کر جاتے بوجھتے بھی۔

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اتنی قوت تھی کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد جاہل سے جاہل ان پڑھ آدمی جو ایک بار کلمہ پڑھ لیتا تو برائی اور اچھائی میں تمیز کرنے کے قابل ہو جاتا یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو آدمی ساری عمر جنگل میں رہا وہ بھی حلال حرام جائز ناجائز اور نیکی اور بدی میں تمیز رکھتا ہے۔ یہ قوت ہے تعلیمات نبوت میں لیکن اس پر عمر کوئی عمل نہیں کرتا اس لیے کہ اس قوت نے دماغ کو ماننے پر مجبور کر دیا عمل تب نصیب ہوگا جب دل میں وہ کیفیت پیدا ہوگی کہ وہ خود کو خطاب الٰہی کا سزاوار گردانے۔

تو یہ ہیں برکات نبوت اور عہد نبوی میں یہ اس طرح تھیں کہ تعلیمات تو کسی نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنیں یا کسی دوسرے واسطے سے پہنچیں تعلیم کا مقصد حل ہو گیا لیکن برکات صرف انہی کو نصیب ہوئیں جو حضور کے روبرو ہوئے آپ کی مجلس عالیہ میں پہنچے صلی اللہ علیہ وسلم اور برکات کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ مدتوں گناہ میں چوری میں بدکاری میں بدمعاشی میں شرک میں بت پرستی میں دنیا کی قباحتوں میں ظلم میں جور میں مبتلا تھے۔ ایمان نصیب ہوا اور یک لحظ حضور اکرم کی صحبت نصیب ہوئی نگاہ اطہر پڑی وجود پہ تو وہ صحابی ہو گئے۔ صحابی صرف نام نہیں ہے اصطلاح شریعت میں صحابی کا معنیٰ یہ ہے کہ تمام اخلاق عالیہ میں نہایت ہی بلند منصب آدمی اس بلندی پر جہاں سے اوپر صرف انبیاء ہیں آج تو یہ ایک رواج ہو گیا ہے نا جو ہم صحابہ پہ تنقید کو جب کرنے لگتے ہیں تو اس طرح سے کرتے ہیں کہ ہم ان کو اپنے برابر کھڑا کر لیتے ہیں بعض اوقات اپنے سے نیچے کھڑا کرتے ہیں اور ہم رائے دیتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں غلطی کی ان کو ایسا نہیں ویسا کرنا چاہیے تھا یہ اس لیے کہ ہم عظمت صحبت رسالت سے واقف نہیں صحبت رسالت میں یہ کمال تھا کہ جو شخص ایک نگاہ پا گیا وہ تمام اخلاق عالیہ کے اس بلندی پہ پہنچ گیا

جس پر بجز صحابی کے جوتے پہ جو گرد پڑتی ہے اس کی قیمت اللہ کے نزدیک زیادہ ہے ہم سب کی ولدیت کے مقابلے میں ساری دنیا ولی ہو جائے اس گرد کو نہیں پا سکتے۔

حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کون بہتر ہے تو وہ بڑے حیران ہوئے انہوں نے فرمایا عمر بن عبدالعزیزؒ تو تبع تابعین میں ہیں جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اپنے زمانے میں روئے زمین پر بہترین انسان ہوگا۔ تو فرمایا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا تو ان کے گھوڑے کی ناک میں جو گرد پڑ گئی تھی اس پر لاکھوں عمر بن عبدالعزیزؒ قربان کیے جا سکتے ہیں یہ کہ وہ صحابی رسول ہیں تو صحبت رسالت سے انسان کے اخلاق ایمان عقائد اعمال اتنے اعلیٰ ہو گئے مطلب دیکھو مطاع تو رسول ہوتا ہے بلا چوں و چرا اطاعت صرف منصب رسالت ہے تمام کائنات میں از اول تا آخر یہ شرف صحابہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ نے فرما دیا کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے ان کی اطاعت ہی واجب ہے وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ - کوئی اور تیسرا طبقہ ہی نہیں ایک طبقہ صحابہ کا دوسرا طبقہ خلوص دل سے ان کی پیروی کرنے والوں کا تیسرا طبقہ عالم اسلام میں کوئی ہے ہی نہیں۔ اس طرح کی اطاعت تو نبی کی فرض ہے تو یہ نبی تو نہیں ہیں معصوم عن الخطا بھی نہیں ہیں تو پھر یہ درجہ انہیں کیوں ملا۔ اس لیے کہ ان کی ذات جو ہے وہ رضائے رسول کی مظہر بن گئی اور فنا فی الرسول انہیں نصیب ہو گیا وہ جو کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غرض کیا کہ آپ جو ارشاد فرماتے ہیں انسانی عقول ہیں یہ اپنی استعداد کے مطابق سمجھتے ہیں تو صحابہ میں اگر اختلاف ہو جائے تو پھر فرمایا۔

بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ تو وہ اگر اختلاف بھی کریں تو تم جس صحابی کی غلامی کر لوگے نجات پاؤ گے وہ اختلاف کر کے بھی گمراہی میں نہیں جائیں گے۔ تو اگر سمجھنے میں فرق ہے تو سمجھیں گے صحیح۔ تو اختلاف صحابہ بھی جو ہے وہ بھی رحمت ہے کہ ان کے اختلاف سے باقیوں کو سہولتیں میسر آ گئیں۔ ایک کام کو کرنے کے تین چار راستے مل گئے۔ کوئی ایک طرح سے کر سکتا ہے کوئی دوسری طرح سے آسانی سے کر سکتا ہے۔

کوئی بھی ایک دفعہ اللہ کو پکارے تو اس کی ایک پکار بھی ضائع نہیں جاتی۔ شرط یہ ہے کہ اسے پکارنے میں بنیادی طور پر وہ خلوص وہ عقیدہ یا وہ درد موجود ہو جو اللہ کو پکارنے کے لیے چاہیے۔

ہم نے دو حصے بانٹ لیے ہیں۔ مذہب مسجد میں ہے اور بازار میں ہم آزاد ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں نماز روزہ، حج و زکوٰۃ اس پہ مذہب ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سیاست میں یا اپنی عملی زندگی میں کیا کماتے اور خرچ کرتے ہیں یا دوستی دشمنی ہیں۔ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر ایسی بات نہیں ہے۔ زندہ رہنے کے لیے جو طرز حیات اپنایا جائے، اس کا نام مذہب ہے

(مولانا محمد اکرم)

خندق سے واپسی پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ بنو قریظہ کی خبر لیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عصر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھو تو صحابہ دوڑ پڑے ابھی ہتھیار نہیں رکھے تھے پھر دوڑ پڑے تو عصر کا وقت ہو گیا پانچ چھ میل سات میل کا سفر تھا تو راستے میں بعض نے کہا کہ نماز کو مؤخر نہ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جلدی پہنچیں مؤخر کرنے کا حکم نہیں ہے آپؐ نے فرمایا کہ عصر وہاں پڑھو تو مراد یہ ہے کہ جلدی پہنچو یہاں نماز پڑھ لیتے ہیں وہاں پہنچ کر بھی تو پڑھنی ہے تو مؤخر نہ کرو۔ کچھ جو تھے انہوں نے کہا کہ جی ہم تو ایسا نہیں کریں گے مؤخر ہو یا اپنے وقت پر پڑھی جائے ہم پہنچ کر پڑھیں گے حضورؐ نے فرمایا وہاں پہنچ کر پڑھو جن کی یہ رائے تھی وہ چلتے رہے انہوں نے وہاں جا کر پڑھی دوسرے جو تھے انہوں نے یہاں پڑھ لی اور دوسروں کے فارغ ہونے تک وہ بھی وہاں پہنچ گئے حضورؐ کے سامنے تو سارے مل کر پہنچ گئے تھے تو یہ معاملہ پیش کیا گیا یا رسول اللہ انہوں نے تو نماز راستے میں پڑھ لی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے سوچا تھا کہ آپ کا حکم تھا کہ جلدی پہنچو نماز مؤخر کرنے کا حکم تو نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی تردید نہ فرمائی تم نے بھی ٹھیک کیا اور تم نے بھی ٹھیک کیا۔ چونکہ دونوں

جگہ خلوص تھا اللہ کے لیے بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ انہوں نے راستے میں نماز پڑھی ان کے دل میں بھی خلوص تھا کسی دنیاوی غرض یا کسی ذاتی وجاہت کا مسئلہ نہیں تھا انہوں نے وہاں جاکر پڑھی وہاں بھی اس لیے کہ صحابی تھے ان کے ثواب میں برابر تھے جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس نصیب ہوتی تو آدمی صحابی بن جاتا۔ اور صحابی کی شان قرآن حکیم نے رب العزت نے ایک عجیب انداز میں بیان فرمائی۔ فرمایا ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی صحابی کا نہ صرف دل ذاکر ہو جاتا تھا کھال سے لیکر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن اللہ اللہ کرتا تھا۔ اس پر تو قرآن ناطق ہے اور یہ صحبت اور مجلس میں حاضری سے یہ نعمت مل جاتی۔

آپ دیکھیں حضرت خواجہ اویس قرنی کا ورع تقویٰ نیکی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق محبت اور نسبت معروف ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو فرمایا کہ اویس کو کہو کہ میری امت کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے جلیل القدر انسان سے فرمایا کہ کبھی اویس سے ملو تو میرا سلام پہنچانا تو وہ تلاش کرکے ملے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مجھے ملنا چاہیئے کہاں فاروق رضی اللہ کی عظمت کہاں اویس قرنی رضی لیکن ایک تعلق تھا حضور کے ساتھ اس تعلق کے باوجود حضرت اویس صحابی نہیں ہیں شان صحابیت نہیں پا سکے اس لیے کہ صحبت عالی میں نہیں پہنچ سکے اس شرف کو پانے کے لیے صحبت شرط ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم عالم سے پردہ فرمایا صحابہ کا دور آیا تو یہ برکت ختم نہیں ہوگئی جو شخص بھی ایمان لاکر صحابہ کی محفل میں پہنچا وہ تابعی ہوگیا۔ اب تابعین کا ایک ممتاز طبقہ ہے کوئی شخص ان کے مقابلے کی ہمت نہیں کرسکتا کوئی دم نہیں مار سکتا تابعین کی صحبت میں جتنے بیٹھے تھے وہ سب تبع تابعی ہوگئے اور مزے کی بات یہ ہے کہ صحابیت اتنی قیمتی دولت تھی مرد آیا صحابی، خاتون آئی صحابی، بوڑھا آیا صحابی بچہ آیا صحابی جو پہنچا ایمان لاکر اسے کم از کم درجہ علاوہ صحابیت کا تھا اب اس کا مجاہدہ ان کی محنت ان کی عبادت۔ جتنا جتنا کوئی کماگیا وہ تو فرق تو ہے ہر ایک کا اپنا اپنا درجہ ہے لیکن بنیادی طور پر شرف صحابیت سب میں ہے

اس طرح تابعی بننے میں کوئی تفریق نہیں کی گئی صرف صحبت صحابہ شرط ہے تبع تابعین میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ ہر مسلمان کو نعمت ملی کہ دل ذاکر ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ قرآن حکیم نے آقائے نامدار نے بار بار تاکید فرمائی کہ ذکر کرتے رہو۔ قرآن حکیم فرماتا ہے نماز ادا کرو اور ذکر کرتے رہو نماز سے فارغ ہو جاؤ تب بھی جہاد پہ ہو جم کر لڑو ذکر کرتے رہو حج پہ جاؤ ذکر کثرت سے کرتے رہو یعنی ہر عبادت کے ساتھ ذکر کو کثرت سے کرنے کا حکم دے دیا حتیٰ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

تو یوں یہ نعمت تقسیم ہوتی چلی آئی جس طرح کسی نے شعبہ تفسیر میں عمر صرف کی کسی نے حدیث کی تفسیر میں عمر صرف کی کسی نے فقہ کی خدمت انجام دی ان سب میں یہ نعمت تمام آئمہ فقہ میں موجود تھی آئمہ تفسیر میں موجود تھی آئمہ حدیث میں موجود تھی آئمہ حدیث میں موجود تھی اور سارے ذاکر تھے بلکہ آپ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے کی کسی عالم کی سوانح حیات آپ دیکھ لیں تو مزے کی بات ہے کہ ہر عالم کسی مدرسے فارغ ہونے کے بعد جب تک کسی خانقاہ میں کسی بزرگ کے پاس بیٹھ کر اللہ اللہ نہیں کرتا تھا وہ کسی کام کو نہیں نکلتا تھا۔ ہر عالم کی سوانح میں ملتا ہے کہ فلاں جگہ سے فارغ ہوئے اور فلاں بزرگ کی صحبت میں تشریف لے گئے اور وہاں سے اتنا عرصہ لگا کر پھر وہ اپنے کام میں لگ گئے۔

آپ ہمارے زمانے میں یہ بات ہوگئی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر کی ضرورت نہیں۔ میرے بھائی دل کی زندگی کا مدار ذکر الٰہی ہے اللہ نے فرمادیا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور فرمایا کان کھول کر سن لو یعنی تحقیق سے فرمایا بڑی پوری قوت سے فرمایا پورے غور سے یہ بات سمجھ لو کہ دل صرف میری یاد سے قرار پاتے ہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہتر رزق وہ ہے جو کفایت سے ہو۔ خَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِيْ جو کفایت کرے آدمی کو ادھار بھی نہ لینا پڑے اور اس کا سرمایہ بھی جمع نہ ہو ضرورت پوری ہوتی رہے یہ بہترین رزق ہے اور بہترین ذکر وہ ہے جو خفی ہو جو قلب کو جلا دے۔

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ

او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فرمایا ہر چیز کی پالش ہوتی ہے دل کی پالش اللہ کی یاد ہے اللہ کا ذکر ہے۔

تو بزرگان دین نے عمریں صرف کر کے اپنے سے پہلوں کی ان لوگوں کی جن کے دل ذاکر تھے ان کی مجالس میں بیٹھ کر عمریں صرف کر کے مجاہدے کر کے اللہ اللہ کر کے ان انوارات کو اپنے دل میں اخذ کیا اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا وہاں سے ہمارے مذہب میں پیری مریدی کی بنیاد پڑی۔

یہ جو ہماری پیری مریدی میں آگیا ہے تاکہ پیر کے ذمہ ہمارے دنیوی کام کرنے اور جس کا پیر نہ ہو اس کی گائے دودھ نہیں دے گی اس کے بچے کو نوکری نہیں ملے گی وہ بیمار ہو جائے گا یہ سارا فضول ہے پیر کا یہ کام نہیں ہے۔ پیر بے چارا تو خود بھی بیمار ہو جاتا ہے تم کو شفا کب دے گا پیر کو خود بھوک لگتی ہے تمہارا پیٹ کب بھرے گا وہ بھی تو انسان ہے۔

پیر وہ ہوتا ہے جو کسی بزرگ سے یہ دل کی روشنی حاصل کرے مجاہدہ کر کے اتباع سنت میں اللہ کی اطاعت میں عمر صرف کر دے اور پھر اس میں یہ طاقت اللہ اسے دے کہ جو اس کے پاس بیٹھ کر اس سے توجہ لے اس کا دل بھی روشن ہو جائے تو جو وہ توجہ لینے کے لیے جائے گا وہ مُرید کہلاتا ہے جو یہ دل کی روشنی دینے کی اہلیت رکھتا ہے وہ پیر ہے اگر یہ چیز درمیان سے نکال دو تو پیری مریدی کی کوئی ضرورت نہیں پھر سارا فضول ہے۔

یہودی کا بیٹا پیدا ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا اللہ کو نہیں مانتا یہودی حکومت کرتا ہے یہودی کے پاس دولت ہے یہودی کے پاس خاندان ہے گھر ہے ہندو کے پاس حکومت ہے روسی کافر کے پاس اتنا بڑا ملک ہے حکومت ہے یورپ میں سارا کفر پھیلا ہوا ہے ان کے پاس سلطنتیں ہیں تو مسلمان کی گردن پہ ایک پیر بیٹھے گا تب اسے روٹی ملے گی۔ کمال ہے۔ یعنی مسلمان کو بغیر پیر کے دال روٹی بھی نہیں ملے گی کیا عجیب بات ہے۔

پیر کا یہ ادنیٰ سا کام نہیں ہے روزی تو اس نے مومن کافر کو دے دی ہے وہ مالک ہے ہر ایک کو تقسیم کر دی اس نے اگر آدمی نیکی کی طرف چلے تو اس کی روزی کو حلال ذرائع کی طرف منتقل فرما دیتا ہے آدمی برائی کی طرف چلنا شروع کرے تو ملتا وہی ہے جو مقدر ہے اسے حرام ذرائع کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

حضرت علی وجہہ الکریم اپنے عہد خلافت میں کبھی کبھی چکر لگایا کرتے تھے تو خچر پہ سوار تھے کسی عجیب سے گاؤں میں سے گزرے تو نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ کو تاخیر ہو گئی مسجد میں پہنچے تو نمازی نکل رہے تھے ایک آدمی گلی میں سے گلی میں گزر رہا تھا تو اسے آپ نے فرمایا کہ یہ میرا خچر پکڑ کر رکھو میں دوگانہ پڑھ کر آتا ہوں تو آپ دو رکعت پڑھ کر باہر آئے تو آدمی غائب تھا اور خچر کا لگام نہیں تھا وہ وہ لگام لے کر بھاگ گیا بڑے حیران ہوئے تو جیب میں ہاتھ ڈالا تو دو درہم جیب میں تھے فرمایا تو اس آدمی کو میں نے روکا ہے دل میں سوچ رہے تھے کہ اس آدمی کو میں نے روکا ہے تو یہ میں اسے اجرت دے دوں گا وہ غریب میرا خچر پکڑ کر کھڑا رہا۔ باہر آئے تو آدمی نہیں تھا اور خچر کی لگام غائب تو وہ خچر کو گردن سے پکڑ کر بازار کی طرف چلے تو دیکھا کہ ساتھ ہی ایک دکان پر وہی لگام لٹک رہی تھی آپ نے پوچھا کہ بھئی یہ بیچو گے اس نے کہا جی بیچوں گا۔ کتنے کی بیچو گے دو درہم کی تو دو درہم تو ان کے ہاتھ میں تھے کہا یہ لو اور مجھے دے دو۔ جب خرید چکے تو فرمانے لگے یہ تم نے کہاں سے لی ہے کہا جی ابھی ابھی ایک آدمی جا رہا تھا ایک درہم میں بیچ گیا میں نے دو کی بیچ لی تو انہوں نے فرمایا دیکھو میں اس بدبخت کے لیے دو درہم لایا تھا۔ دونوں حلال کے تھے لیکن اس نے اللہ کی نافرمانی کی تو دو میں سے ایک ملا۔ اور حرام ذریعے سے ملا۔ یہ نیک آدمی ہے اس نے جھوٹ بھی نہیں بولا میں نے ایک درہم کی خریدی ہے اللہ نے اسے ایک درہم فالتو دے دیا اس نے ایک حرام کا کما لیا اس کے لیے میں دو لا رہا تھا اس بدبخت کو ایک ملا اور وہ بھی حرام کا۔

پھر آدمی جب راستہ بدلتا ہے رزق وہی ملتا ہے جو اس کے حصے میں ہے اس میں کسی پیر فقیر کا کسی مولوی صاحب کا کوئی کمال نہیں ہے صرف اس کے ذرائع بدل جاتے ہیں نیکی کی طرف چلو گے تو رزق حلال ذریعے سے ملتا ہے برائی شروع کر دو تو جو مقدر میں ہے حرام ذرائع سے آتا ہے رشوت سے آئے گا چوری سے آئے گا۔ لوٹ مار سے آئے گا ملے گا وہی جو مقدر میں ہے۔

پیر کی ضرورت یہ ہے کہ وہ اس قلبی نور سے آشنا ہوا اور سینے میں نور صرف ہو نہیں ایک ایسی قوت بھی ہو جو دوسروں کو منور کر سکے اور اس کا معیار بھی یہ ہے کہ صرف روشنی نظر آنا کوئی معیار

نہیں اگر آپ اللہ اللہ کرتے ہیں۔ آپ کو انوارات نظر بھی آجائیں تو یہ کوئی معیار نہیں معیار یہ ہے کہ عملی زندگی اور عقیدہ راستی کی طرف چل پڑے جب عقیدے کی خرابی کی بات آئے تو دل اس سے متنفر ہو جائے یہ قلب ذاکر ہو گیا۔ اور اگر یہ بات پیدا نہیں ہوتی تو دل مردہ ہے زندہ نہیں ہے پھر اس پیر کے ساتھ یا اس مجلس میں رہنا وقت ضائع کرنا ہے اور کہیں تلاش کرو کہیں کوئی مل جائے کوئی ایسا بندہ ہے جو دل میں حیات پیدا کر دے جو تبلیغ کے لیے نکلے تو اپنی شہرت مقصد نہ ہو رضائے باری مقصود ہو بات کرے تو اس میں ذاتی غرض نہ ہو رضائے باری مقصود ہو روزی حاصل کرتی ہے تو دوسرے کی نہ چھینے اللہ سے لے حلال ذرائع سے لے کام کرے تو اللہ کریم کے موجود ہونے کا احساس ہو۔

"تا بہ لرزاں بہ وجود تو زمین

تو جب پیشانی جھکے تو اس میں اس قدر تجلیات ہوں کہ زمین بھی لرز اٹھے کہ یہ کون جھک رہا ہے کس کے سامنے جھک رہا ہے۔

اگر تو یہ نعمت نصیب ہو تو پھر تو یہ پیری مریدی کا کام ہے

اب رہی یہ بات کہ یہ ذکر کیسے کرنا چاہیئے تو میرے بھائی رب جلیل نے اس میں بڑی کھل دے دی ہے فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ

کھڑے ہو اللہ اللہ کرو، بیٹھے ہو اللہ اللہ کرو، لیٹے ہو اللہ اللہ کرو، کرتے رہو بس نہ کرو وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ۔ بھول جاؤ تو جیسے یاد آئے اللہ اللہ کرو۔

تو بزرگانِ دین نے مختلف طریقے اختیار کیے سارے ذرائع ہیں مقصد ایک ہی ہے کہ دل میں وہ روشنی آجائے۔ اب وہ مختلف ذرائع ہیں کوئی بادشاہ جہاز پہ آتا ہے کوئی بس پہ آتا ہے کوئی غریب پیدل بھی آتا ہے کوئی تانگے پہ آتا ہے کوئی سائیکل پہ آتا ہے آتا تو سب کو اس شہر میں ہے اس طرح ذکر کے مختلف طریقے جو ہیں ان طریقوں میں اختلاف ہے کہ وہ ذرائع ہیں مقصد ان برکات کا حصول ہے جو ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تقسیم ہوئیں اور لوگوں نے سینہ بسینہ صحبت میں رہ کر حاصل کیں جو بغیر صحبت کے ممکن نہیں ایک پابندی شرط ہے ذکر کا بھی کوئی وہ طریقہ نہیں اپنایا جائے گا جو خلاف شرعی ہو۔ جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا وہاں حد ختم ہو گئی دیکھیں ہر انسان کی آزادی ایک حد تک ہوتی ہے یعنی اپنی ذات تک تو آپ آزاد ہیں دوسرے کی ناک پہ مکہ مارنا آزادی نہیں ہے۔ وہ اس کی آزادی نہیں ہے وہ اس کی آزادی میں مداخلت ہے ذکر میں بھی اس حد تک آزادی ہے جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کر دیا جس طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا وہ جائز نہیں ہو گا کسی حیلے سے بھی لیکن جس سے حضورؐ نے منع نہیں فرمایا تو اللہ نے نماز کی تعلیم فرمائی کہ قیام رکوع قعدہ پھر الفاظ معین ہیں اوقات متعین ہیں، صورۃ متعین ہیں، حج کا تعین ہے روزہ کا تعین ہے ذکر کے لیے اللہ نے کوئی تعین نہیں فرمائی نہ وقت کی نہ صورت کی نہ حالت کی نہ اس کے لیے وضو فرض ہے نہ اس کے لباس کی پاکی شرط ہے نہ اس کے لیے مسجد میں بیٹھنا شرط ہے ہر حال میں اور جہاں بھی ہو اللہ کا ذکر کرتے رہو اب اگر پاکی بھی حاصل ہو تو نور علی نور ہے مسجد میں آکر کریں تو مسجد کی برکت مزید شامل ہو گی یہ تو جتنا بڑھاتے جائیں بہتر ہے لیکن مسجد سے باہر ہے تو بازار میں بھی چھوڑ دینے کا حکم نہیں ہے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو۔ بیٹھے ہو کھڑے ہو لیٹے ہو کسی طرح بھی ہو۔ تو یہ جو ذکر دوام ہے جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہوتا رہتا ہے یہ اپنی زبان سے کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ کسی سے بات کرنی ہو گی تو ذکر چھوڑ کر بات کرنی پڑے گی کبھی سو جائیں گے تو سارے اعضاء خاموش ہو جائیں گے زبان بھی چپ ہو جائے گی لیکن جب وہ توجہ نصیب ہوتی ہے جو صحبت نبوی سے ملی تو وہ دل میں یاد الٰہی کو دل کی ہر دھڑکن کو اس پہ لگا دیتی ہے۔ اب سانس چل رہی ہے وہ بھی اللہ اللہ کر رہی ہے دل دھڑک رہا ہے وہ بھی اللہ اللہ کر رہا ہے وجود میں رگوں میں نبضوں میں خون کا ذرہ ذرہ جہاں جاتا ہے۔

ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ

تو ذکر دوام اور ذکر کثیر کا منشا ہی تب پورا ہوتا ہے جب کسی صاحب دل کی مجلس میں بیٹھ کر اس سے توجہ لی جائے اور وہ رگ و پے میں دل میں دماغ میں وجود میں اعضاء و جوارح میں اسے جاری کر دے یہ ہماری ضرورت ہے اس لیے کہ دل زندہ ہی اس سے ہوتا ہے اور جب دل زندہ ہو تو وہ جمال باری کو دیکھتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق کیا دیکھتا ہے یہ نہیں بتا سکتا دیکھ لو گے سمجھ آجائے گی۔

کارا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد۔

جس نے دیکھ لیا وہ بتانے کے قابل ہی نہیں رہتا بس اس کی حرکات و سکنات سے پتہ چلتا ہے اس نے کچھ دیکھا ہے کیسے دیکھا کیا دیکھا

وہ بتانے والی بات ہی نہیں وہ تو کرنے والی بات ہے کیفیات کے لیے تو واضع نے کوئی لفظ وضع نہیں فرمایا۔ کتابت کرنے والے نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ یہ تو محسوس کی جا سکتی ہیں نہ بیان کی جا سکتی ہیں نہ سنی جا سکتی ہیں۔

تو میرے بھائی ان مجالس کا آپ کے لیے ان تمام اوقات دینے کا حاصل یہ ہے کہ میں بھی ایک گیا گزرا اس دور کا درماندہ اور ایک گنہگار انسان ہوں اللہ مجھ پر بھی رحم فرمائے اللہ ہم سب پر رحم فرمائے لیکن مجھے اللہ کی ایک نعمت نصیب ہوئی اہل اللہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کے لیے تیس سال عطا کر دیے رب جلیل نے اور حاشا وکلا میں مسجد میں باوضو بیٹھا ہوں مجھے کبھی یہ گمان نہیں گزرا تھا کہ مجھے یہ پیر بننا پڑے گا میں اسی سے بڑا گھبراتا ہوں اب بھی اور پہلے بھی۔ میں اپنی اصلاح کے لیے گیا تھا برسوں بیت گئے انہوں نے میرے گلے میں یہ مصیبت ڈال دی اب تم لوگوں کو سکھاؤ گئے تھے نماز بخشوانے الٹے روزے گلے پڑ گئے۔ میں آپ پر احسان نہیں کرتا میری یہ نوکری ہے یہ ذمہ داری ہے کہ میں اللہ کے بندوں کو جو مجھے نصیب ہوا ہے یہ پہنچا دوں اب کوئی نہ لے اس کی مرضی کوئی اعتراض کرے اس کی مرضی کوئی گالی دے اس کی مرضی۔ بھئی جس کی نوکری پولیس والوں کی نوکری لگتی ہے بازار میں لوگ اس پر تو بلیں پھینکتے ہیں گالیاں دیتے ہیں اینٹیں برساتے ہیں وہ بھاگ تو نہیں جاتے کیا کریں نوکری کرنی ہے وہ پھر دوسرے دن بازار میں کھڑے ہوتے ہیں انہیں شرم نہیں آتی کہ اس چوک میں مجھے گالیاں پڑتی تھیں۔ نوکری ہے جی وہاں شرم کیا کریں گے وہ تو پھر کل کھڑے ہوں گے۔

ہماری بھی نوکری ہے لوگ فتوے لگاتے ہیں لوگ گالیاں دیتے ہیں ایک دفعہ مسجد سے مجھے دھکے دے کر بھگا دیا گیا کہ یہ اللہ اللہ سکھاتا ہے بھئی کیا کریں بھگا دیں پھر آئیں گے یہ نوکری ہے کوئی خفا ہو یا کوئی پیار کرے اس سے غرض نہیں غرض تو اس مالک سے ہے جس نے ذمہ لگا دیا لوگوں نے تو غرض نہیں نہ لوگوں سے کچھ لینا نہ دینا نہ شہرت نہ نذرانہ نہ نیاز نہ مال صرف ایک بات کہ میں نے اللہ کا نام سیکھا ہے مجھ پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ آپ بھی چند لمحے میرے ساتھ بیٹھیں اور ذکر کرتے رہیں آپ کو بھی آ جائے گا یہ کوئی ایسی بات نہیں یہ اعلان غلط ہے کہ پیر کا بیٹا پیر ہو پھر اس کا بیٹا پیر ہو ایسا نہیں ہے سارے مسلمان پیر ہیں ہر مسلمان

> تصوف رضائے الٰہی کا نام ہے۔ دیکھنے دکھانے کو مقصود بنانا۔ دراصل غیر اللہ کو مقصود بنانا ہے۔
> اصل نعمت درجۂ احسان کا حاصل ہونا ہے۔
> (حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

ولی ہے سارے مسلمان صحابی بن سکتے ہیں تو ولی اللہ بننے کے لیے چند کی کیا خصوصیت ہے کہ بھئی چند خاندان بن سکتے ہیں اور باقی نہیں ایسا نہیں ہے صحابیت سب سے افضل ہے تو وہاں تو عورتیں مرد سارے صحابی ہیں ذکر کی بات ہو اللہ کریم ساری عبادات کو سارے اخلاقیات عالیہ کو زیر بحث لاتے لاتے آخیر میں فرماتے ہیں۔

وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا مرد خاتون کو برابر فرمایا انسان تو دونوں ہیں اس لیے ہمارے سلسلہ عالیہ میں ہر ساتھی کو اجازت ہے کہ جو اللہ اللہ سیکھے وہ گھر کی خواتین کا خود پیر ہے جتنا سبق سیکھ جائے ان کو سکھائے آپ تجربہ کر لیں گھر میں۔ بیوی کو بیٹی کو ماں کو بہن کو ساتھ بٹھا کر توجہ دے گا ان کے دل بھی روشن ہو جائیں گے۔ یہ اس لیے اجازت دی کہ سب کا حصہ ہے اس میں خواتین کا بھی مردوں کا بھی زندگی کا مزا ہی جب ہے کہ بچے بھی اللہ اللہ کریں بیویاں بھی اللہ اللہ کریں مائیں بہنیں بھی اللہ اللہ کریں باپ بھی اللہ اللہ کرے تو دیواروں اور اینٹوں اور پتھروں سے بھی اللہ اللہ کی صدا آتی ہے۔

اس کے بارے ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسے گھروں کو آسمان والی مخلوق یوں دیکھتی ہے جیسے آپ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں انہیں زمین پر ایسے گھر ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

تو یہ ایک نعمت ہے یہ آپ کا حق ہے آپ کا حصہ ہے آپ کی ضرورت ہے آپ اسے سیکھیں اس پر عمل کریں اپنے لیے اللہ کے لیے اپنی آخرت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اللہ کریم آپ کو برکت دے اور ہمیں اپنی یاد میں زندہ رکھے اپنی یاد میں موت نصیب فرمائے برزخ میں اپنی یاد نصیب کرے میدان حشر میں اپنی یاد میں کھڑا فرمائے اپنے بندوں کی صف میں کھڑا کرے

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسلام مسلمان اور تھرڈ ورلڈ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

ہمارے ہاں مذہب یا دین کا جو تصور ہے وہ بڑا ڈھیلا ڈھالا نکما سا ہے ہر وہ آدمی جو مذہبی زندگی اختیار کرتا ہے تو میرے خیال میں اس کی دنیاوی ایکٹویٹیز میں اس کی مصروفیات میں جو جوش و جذبہ ہوتا ہے کم از کم پچاس فیصد تو وہ چھوڑ دیتا ہے وضو کرنے بیٹھا ہے تو بس بیٹھا ہی رہتا ہے پانی چل رہا ہے وہ بیٹھا ہے توں نظر آتا ہے جیسے کسی پیر صاحب کا مرید آ رہا ہے یہ کیا ہے؟ یہی خوف خدا ہے؟ اس بات سے اندازہ لگایئے کہ اگر اس طرح کا اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہوتا تو مسلمان دنیا کے فاتح کیسے بنتے؟ جن لوگوں نے تیس ہزار ہو کر تیس لاکھ کا دست بدست جنگ میں مقابلہ کیا بھلا وہ کیسے لوگ ہوں گے۔ یعنی آپ اپنے ذہن میں سوچیں ساٹھ ہزار کا ایک لشکر تھا جس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد غالباً دس ہزار تھی اور سالار لشکر یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ مزید کمک منگوانی چاہیئے اور اس وقت تک کے لیے ہمیں دشمنوں کو مصروف رکھنا چاہیئے واضح جنگ میں نہیں کودنا چاہیئے بلکہ اس کے ساتھ الجھتے رہیں گے الجھاتے رہیں گے اور اس طرح سے ہم کچھ دن گزار لیں۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک عجیب فیصلہ کیا انہوں نے عرض کی یا امیر، مدینۃ الرسول بہت دور ہے ہم بہت فاصلے پہ ہیں کھری بات تو آنے جانے کا وقت نہیں دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس مدینۃ الرسول میں کوئی فوجی چھاؤنی نہیں ہے کوئی وہاں ریزرو فورس نہیں ہے کوئی فوجی ہیڈ کوارٹر تو ہے نہیں وہ تو آپ کا قاصد جائے گا اعلان ہو گا کہ جو جو جہاد میں شریک ہونا چاہتے ہیں وہ آگے آئیں پھر وہ فوج بنے گی پھر وہ آئے گی تو دشمن اتنی مہلت تو نہیں دے گا۔ آخر جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں دشمن بھی تو سوچ رہا ہو گا۔ کہ جب یہ تعداد میں کم ہیں تو میں انہیں مہلت کیوں دوں۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم ان سے وقت لیں وہ سوچ رہا ہو گا کہ انہیں وقت نہ دیا جائے تو ہمیں اس کا کوئی حل سوچنا ہو گا۔ اس کا حل سوچا جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہم دس ہزار ہیں آپ مجھے دس آدمی دے دیں نو آدمی اور دے دیں ایک میں ہوں ہم دس ہزار میں سے دس آدمی آج کے دن ان سے لڑیں گے۔ امیر لشکر نے کہا خالد تم یہ چاہتے ہو کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس آدمی ضائع کر دوں

ساٹھ ہزار کے مقابلے میں دس آدمی بھیج کر انہیں موت کے منہ میں جھونکنے والی بات ہے نا۔ انہیں میں ضائع کر دوں انہوں نے بتایا۔ یا امیر ایسا نہیں ہوگا۔ ہم انشاءاللہ ان کے ساٹھ ہزار کے ساتھ پورا دن لڑیں گے اور پورا دن ان کو میدان جنگ میں مصروف رکھیں گے اس کا فائدہ یہاں یہ ہوگا کہ جب دس آدمی ساٹھ ہزار سے شکست نہیں کھائیں گے تو کل کا حملہ ہم دس ہزار سے کریں گے اور وہ بغیر لڑے بھاگ جائیں گے

اس تجویز پہ بڑی بحث ہوئی بالآخر امیر لشکر نے یہ فیصلہ کیا کہ کم از کم ساٹھ آدمی ہونے چاہئیں دس پر اتفاق نہ ہوا انہوں نے جاؤ تو وہ ساٹھ آدمی صبح جب کفار کی لشکر کی طرف نکلے تو وہ بڑے خوش ہوئے کہ صلح کے لیے بات کرنے یہاں آرہے ہیں۔ شکست کی کوئی شرائط پیش کریں گے کہ ہمیں یہ سہولتیں دی جائیں تو ہم میدان چھوڑ دیتے ہیں ساٹھ آدمیوں کا کوئی دستہ آرہا ہے تو ظاہر ہے کوئی بات کرنے آرہا ہوگا ورنہ سامنے تو ساٹھ ہزار کا لشکر کھڑا ہے۔

لیکن انہوں نے جا کر جنگ کا اعلان کیا وہ کہنے لگے عجیب بات ہے یہ لوگ پاگل ہیں یا ہمیں پاگل سمجھتے ہیں انہوں نے پہلے سوار بھیجے پھر عام حملے کا حکم دے دیا ان کا فیصلہ تھا کہ جیسے وہ عام حملہ کریں تو ساٹھ کے ساٹھ آدمی گھوڑوں کے منہ موڑ لو تاکہ پشتیں مل جائیں آپس میں دائرہ بنا لو اور باہر کی طرف منہ کر لو کسی کو دائرے کے اندر مت آنے دو۔ بڑی دیر تک، کئی گھنٹوں تک وہ دائرہ ساٹھ ہزار آدمیوں سے نہ ٹوٹ سکا اور جب وہ ٹوٹا بھی تو بعض مجاہد جو تھے وہ بے تاب ہو کر ان کی صفوں میں گھس گئے اور قلب لشکر تک چیرتے ہوئے ان کے سالار پہ جا کر حملہ آور ہو گئے۔ ان کی اس ترکیب سے دشمن کی اپنی ترتیب جو تھی وہ منتشر ہو گئی۔

کچھ شہید ہو گئے کچھ قید ہو گئے جو دشمن نے فوراً روانہ کر دیئے لیکن مسلمانوں نے درمیان سے راستہ کاٹ کر رات ہی رات کو راستے میں جا کر ان سے قیدی چھڑا لیے چھ آدمی ان کے شہید ہو گئے باقی صحیح سلامت واپس آ گئے لیکن کفار کی آخری صف تک کے آدمی قتل ہوئے اور ان کے قتل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں پہنچی اور پورا دن باقاعدہ جنگ ہوتی رہی اس دور میں جنگ کے مخصوص قاعدے تھے جب سورج ڈوب جاتا تھا تو وہ تلوار روک دیتے تھے جنگ ختم ہو جاتی تھی صبح تک کے لیے ملتوی ہو جاتی تھی۔ جب باقاعدہ صبح تک کے لیے جنگ ملتوی ہوئی تب جنگ ختم ہوئی۔ دوسرے دن جب دس ہزار کے لشکر نے حملہ کیا تو واقعی وہی کچھ ہوا جس کی انہوں نے تجویز کی تھی مشرکین صرف قتل ہوتے

اللہ

ایک مرتبہ حضرت امام شافعیؒ گزرے وقت کی جستجو میں نکلے تو صوفیاء کی ایک جماعت نے کہا کہ گزرا ہوا وقت تو واپس نہیں آتا۔ لہٰذا موجودہ وقت ہی کو غنیمت جانو۔ آپ نے فرمایا مجھ کو مراد حاصل ہو گئی۔ کیونکہ تمام دنیا کا علم مجھ کو حاصل نہیں ہوا۔ اور میرا علم صوفیاء کے علم تک نہیں پہنچا اور صوفیاء کا علم انہی کے ایک مرشد کے قول تک نہیں پہنچا کہ موجودہ وقت شمشیر قاطع ہے۔

ھو

رہے مقابلہ نہ کر سکے۔

اسلام تو آدمی میں ایک مزید قوت کار پیدا کرتا ہے کہ ایک آدمی اتنا کام کر لیتا ہے جتنا غیر مسلم کم از کم دس آدمی بھی نہیں کر سکتے یہ ہمارے درمیان سستی تب سے آئی ہے جب سے ہم نے مذہب کو کاروبار دنیا سے الگ ایک خانے میں رکھ دیا ہے اور جب سے ہم نے مذہب کو اپنے امور سلطنت سے، اپنی سیاست سے، اپنی تجارت سے، اپنی کھیتی باڑی سے، اپنے امور خانگی سے، حتیٰ کہ ہر چیز سے ہم نے مذہب کو نکال دیا۔ مذہب چند لوگوں کے سپرد کر دیا ہے یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مذہب کے ساتھ کیا کرتے ہیں، ہمارا بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اس کے کان میں اذان کہہ سکیں یہ ایک مذہبی ذمہ داری ہے کہ امام اذان کہے ہم اس قابل نہیں ہمارا مذہب کے ساتھ اتنا مس بھی نہیں ہے کہ ہم خود اذان کہہ سکیں۔ ہمارا کوئی مر جاتا ہے تو ہمیں نہیں پتہ کہ اسے غسل کس طرح سے دینا ہے اس کا کفن کیسے ہوگا۔ اس کا دفن کس طرح سے کرنا ہے اس کو کس کروٹ لٹانا ہے اس کا جنازہ کس طرح سے پڑھنا ہے تجہیز و تکفین کیا ہے ہر قوم میں سے چار یا پانچ آدمی کے ذمہ ہے وہ اسے غلط کرتے ہیں یا صحیح اللہ کے نزدیک وہ خود جواب دیں گے ہم فارغ ہیں اور جو لوگ اس سے فارغ ہیں وہ اپنی زندگی میں بڑے ایکسپرٹ ہیں آدھی رات کو انہیں کہیں جانا ہوتا ہے تو پہلے بیلوں کی جوڑی کے ساتھ انہوں نے اس دن جو زمین جوتنی ہوتی ہے آدھی رات کو اٹھ کر وہ ہل چلا لیتے ہیں پھر وہ کہیں جاتے ہیں یعنی

وہ کام مس نہیں کرتے اور دوسرا کام بھی کر لیتے ہیں۔

اس طرح آج آپ دیکھ لیں چاول کاشت کرنے والے کتنی محنت کرتے ہیں اس کیچڑ میں اس کیچڑ میں آپ کسی مسجد کے آدمی کو اٹھا کر لے جائیں اسے کہیں کہ اس میں سے گزر کر دکھا دے اس کھیت میں انہوں نے بھینسوں کے پیچھے ہل جوت رکھا ہوتا ہے اس پانی میں چل رہے ہوتے ہیں جہاں وہ بیجتے ہیں چاول کو کاشت کرتے ہیں بیج کو۔ اس طرح کٹائی ہو رہی ہوتی ہے تو اس پر بھی صفائی ہو رہی ہوتی ہے

تو جو لوگ مذہب کا کام کرتے ہیں یا مذہب کے محافظ بنے ہوئے ہیں یا مذہب کی بہت بڑی ذمہ داری انہوں نے اپنے سر لے رکھی ہے وہ تو وہاں تک پہنچنے سے رہے اور جو وہاں جاتے ہیں وہ جاتے ہیں وہ کہتے ہیں جی مذہب کے بارے میں آپ مولوی سے پوچھ سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو میدان میں ہے جس میں جان ہے یا جو کام کرتا ہے اسے مذہب کا پتہ نہیں ہے اور جسے مذہب کا علم ہے اس سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ وہ کہتا ہے کوئی مجھے لوٹا بھر کر دے تو میں وضو کر لوں۔ پانی بھی ہے لوٹا بھی موجود ہے غسل خانہ بھی ہے آدمی خود بھی موجود ہے لیکن اس انتظار میں ہے کہ کوئی آئے کوئی لوٹا بھر سے کوئی غسل خانے پر رکھ کر آئے۔

میں یہاں تھا تو ایک آدمی ہمارے گاؤں میں آیا ہوا تھا اس کے ہمراہ تین آدمی تھے ایک نے ڈھیلے اٹھائے ہوئے تھے ایک نے سر پہ چھتری لگائی ہوئی ایک نے لوٹا پانی کا اٹھایا ہوا، ایک آدمی طہارت کے لیے جا رہا ہے میں نے کہا اتنا تماشہ تم نے غریب کے ساتھ بنا رکھا ہے ایک آدمی کے ساتھ مذاق ہے کسی آدمی کے ساتھ تین آدمی اسے پیشاب کرانے کے لیے جا رہے ہوں ایک نے اس پر چھتری لگا رکھی ہے ایک نے ڈھیلے اٹھا رکھے ہوں ایک نے پانی کا لوٹا اٹھا رکھا ہے یہ مذاق نہیں ہے کیا مذہبی زندگی ایسی نہیں کہ یہ آدمی محتاج ہو جائے

اسلام کا جو معنی ہم نے سیکھ لیا ہے زندگی میں سستی یا سست روی آ جائے جو نکما پن آ جائے یا ڈھیلا پن آ جائے بات کریں تو مریضوں کی طرح اٹھیں بیٹھیں گے تو بیماروں کی طرح کام کریں گے تو ادھورے یہ حقیقتاً اسلام نہیں ہے اسلامی معاشرے کی شان کے خلاف ہے۔

اسلام کی دعوت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تو ذاتی طور پر جتنی پر مشقت زندگی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بسر کی روئے زمین پر کسی دوسرے انسان نے اتنی نہیں کی کوئی کر سکتا ہی نہیں یعنی یہ بھی معجزہ ہے آپ کا۔ آپ مطالعہ کر سکتے ہیں کہ دس سالہ مدنی زندگی میں چوراسی کے قریب حکومت کی سطح کی غیر ممالک کے ساتھ جنگیں ہوئیں آپ اس نوزائیدہ سلطنت کا اندازہ لگائیں جس نے دس سالوں میں چوراسی جنگیں لڑی ہوں مخالفین کے ساتھ صرف اس ایک بات کا حساب لگائیں کہ اس سربراہ کی مصروفیات کیا ہوں گی اس کے ساتھ حضور معلم بھی ہیں حضورؐ ہی مفتی بھی ہیں حضورؐ ہی امام تھے اس مسجد کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر گھر کی، بیماری کے لیے تشریف لے جاتے ہیں ہر آدمی کا دکھ درد بھی سنتے ہیں اور ممالک کو وفود بھیجتے بھی ہیں اور ملک کے اکثر حصوں کے سارے کام کا فیصلہ حضورؐ ہی کرتے ہیں اور تمام دین کا ایک ایک حرف سمجھاتے ہیں سکھاتے بھی ہیں اور اس سے اللہ کی ملاقات کا وقت بھی اسی میں سے نکال لیتے ہیں اہل خانہ کو بھی وقت اس میں سے دیتے ہیں ازواج مطہرات کو بھی وقت اس میں سے دیتے ہیں اور ملاقات والوں کو بھی اسی میں سے وقت ملتا ہے پبلک کو بھی اسی میں سے وقت ملتا ہے سرکاری آفیسر جو آتے ہیں ان کو اسی میں سے ملتا ہے اور اس کے باوجود دس سالوں میں جتنی جنگیں ہیں یعنی جتنی مختلف روایات ہیں کہ وہ ساری اس سے زیادہ ہیں کوئی بیاسی کہتا ہے کوئی چوراسی کہتا ہے اسی سے کم کوئی نہیں کہتا۔ جن معرکوں میں حضورؐ خود تشریف لے گئے انہیں غزوہ کہتے ہیں اور جن میں حضورؐ خود نہیں گئے کسی کو امیر بنا کر بھیجا لیکن وہ جنگ حضورؐ کی نگرانی میں ہوئی حضورؐ نے کسی کو مامور فرمایا اسے سریہ کہتے ہیں یہ غزوات و سرایا دس سالوں میں چوراسی ہیں۔

تو آپ کو اس میں کہیں کوئی پہلو تساہل کا یا سستی کا نظر آتا ہے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی۔ اور تب سے لیکر آج تک جن لوگوں نے کام کیا ہے اللہ نے جن سے کام لیا ہے ان کی مصروفیات یہی رہی ہیں

تو اسلام کیا ہے اسلام ہے زندگی کو سب سے زیادہ فعال بنانے کا نام اتنا فعال کہ بغیر اسلام کے آدمی اتنا کام کر ہی نہ سکے ایک تو وہ کام ہے جو آدمی اللہ کی تائید کے بغیر بحیثیت انسان خواہ وہ کافر ہے یا مسلمان نیک ہے یا بدکار ہے جو کچھ بھی ہے اس میں کچھ خصوصیات انسانی تو ہیں تو بحیثیت انسان جو کچھ وہ کر سکتا ہے وہ تو ہر ایک کر سکتا ہے۔ اب جو مسلمان ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوالٹی کے لحاظ سے بہتر ہو جاتا ہے یعنی وہ اس سے اعلیٰ تر (SUPERIOR)

ہوگیا اس سے بہتر ہوگیا اس سے اچھا ہوگیا جو چیز کوالٹی کے اعتبار سے ہوتی ہے اگر وہ اپنے اثر کے اعتبار سے اس چیز سے کم ہو جائے جو کوالٹی کے اعتبار سے اس سے کم تر ہے تو وہ کوالٹی کے اعتبار سے اچھی ہوئی یا خراب ہوئی ؟

آپ ایک گولی لیتے ہیں جو اثر وہ پیدا کرتی ہے اس دوائی کی دوسری گولی آپ کو ملتی ہے دوسری کمپنی کی اور اس کی کوالٹی اچھی ہے لیکن اثر اس سے کم کر جاتی ہے تو آپ کہیں گے خاک اچھی کوالٹی ہے اس سے تو وہ پہلی اچھی تھی یعنی کوالٹی اچھی کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر زیادہ ہونا چاہیئے۔ تو مسلمان انسان ہی رہتا ہے لیکن وہ بحیثیت کوالٹی کے بحیثیت قسم کے صرف انسان نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ تائید باری شامل ہو جاتی ہے برکات الٰہی شامل ہو جاتی ہیں اور اس کی کوالٹی بہت بہتر ہو جاتی ہے اس بہتر کوالٹی کو زیادہ مؤثر ہونا چاہیئے نہ کہ وہ اس سے بھی گیا گزرا ہو۔

یہ اسلام نہیں ہے کہ مسلمان ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں کافر محنت کر کے کمائیں وہ خود آرام سے کھائیں اور جوان سے بچ رہے وہ کافر خیرات بھیجیں اور ہم بیٹھے رہوں کہ امریکہ سے ایڈ آئے گی اور ہم کھائیں گے۔ یہ اسلام نہیں ہے

یعنی اسلام کے اصول تو ایسے ہیں کہ اللہ نے منع کر دیا جب مکہ فتح ہوا تو اللہ نے پابندی لگا دی کہ جب آپ کے قبضے میں میں نے اس مقدس شہر کو دے دیا ہے تو اس میں کوئی کافر داخل نہیں ہونا چاہیئے تب سے اب تک کسی کافر کو اجازت نہیں ہے لیکن اس وقت اب والے حالات تو نہیں تھے مکہ دور دراز چھوٹا سا گاؤں نما شہر تھا نہ سڑکیں تھیں نہ موٹریں تھیں نہ جہاز تھے نہ کوئی مواصلات سے نہ آنا جانا تھا تو لوگ جو بیت اللہ کے بہانے سے آتے تھے خواہ وہ مشرک تھے خواہ وہ کافر تھے مکہ اور مکہ کے گرد و نواح کے سارے لوگوں کی زندگی کا سبب تو وہی لوگ تھے ان کے آنے جانے سے تجارت ہوتی تھی کچھ چیزیں وہ لاتے تھے کچھ چیزیں یہاں سے لے جاتے تھے کچھ انہیں نذرانے دیتے تھے کسی نہ کسی طرح سے ان کی روزی کا سبب بنا ہوا تھا تو جب مسلمانوں کے پاس آیا اللہ نے منع کر دیا کہ کوئی مشرک کوئی کافر آئندہ حرم کی حد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اب اس سال کے بعد کسی کافر کو اجازت نہ دی جائے اس سے

تین حجابات رفع ہو جانے کے بعد قلب سالک پر سارے خزانے کشادہ کر دیئے جاتے ہیں اوّل یہ کہ کبھی دنیا کی سلطنت قبول نہ کرے۔ دوم اگر کوئی شے سلب کر لی جائے تو غمزدہ نہ ہو کیونکہ کسی شے کے حصول پہ اظہار مسرت کرنا حریص ہونے کی علامت ہے۔ اور غم کرنا غصہ کی علامت ہے سوم یہ کہ کسی طرح کی تعریف و توصیف پہ خوش نہ ہو کیونکہ یہ کمتری کی علامت ہے اور احساس کمتری والا ہمیشہ ندامت کا شکار ہوتا ہے۔

(حضرت ابراہیم ادھمؒ)

اگلی آیت میں ارشاد فرما دیا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً اگر تمہیں یہ خطرہ محسوس ہو کہ انہیں روک دینے سے یہاں قحط ہو جائے گا۔ فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ۔ تو اللہ قادر ہے وہ تمہیں غنی کر دے گا کوئی ضروری نہیں کہ انہیں کے ذریعے تمہیں رزق پہنچے رزق کی فکر نہ کرو اللہ کی اطاعت کرو اور وہی ہوا کہ کافروں کا وہاں آنا تو بند ہو گیا لیکن روم اور ایران جیسی سلطنتیں فتح ہو کر ان کے صدیوں سے دفینے اور خزانے مال غنیمت بن کر مسلمانوں کی خدمت میں آ گئے تو مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کی کوالٹی بہتر ہو گئی تو بہتر کوالٹی کا جو آدمی ہے اسے اپنی کارکردگی بھی دوسرے آدمی سے زیادہ بہتر دکھانی چاہیئے۔

تو اسلام کی بنیاد کیا ہے اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ انبیاء و رسل، اللہ کریم رسولوں کو خطاب فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ یعنی جب یہ رسولوں کے لیے قانون ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کوئی مرد کوئی خاتون کوئی انسان جس پر یہ حکم لاگو نہ ہوتا ہو اور وہ ہے كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ۔ پاک چیزیں کھاؤ دیکھا حلال سے بات گزر گئی كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ حلال تو کمانے میں ہوتا ہے اور طیب کھانے میں ہو جاتا ہے یعنی آپ نے کوئی اس میں ناپاک قطرہ ملا لیا کسی ناپاک ہاتھ نے پکا دیا تو پاک نہ رہا۔ بلکہ بعض فقہاء

تو کہتے ہیں کہ جو عمداً نماز نہیں پڑھتے ان کے ہاتھ دھونے سے پاک نہیں ہوتے بغیر عذر شرعی اگر آدمی نماز چھوڑ دیتا ہے تو اس کا وجود پاک ہے اعتماد نہیں کیا جاتا۔

یہ جو میت کو غسل دیا جاتا ہے اس میں یہ بات عجیب سی ہوتی ہے کہ جو لوگ ہمیشہ سے عادی نمازی ہوتے ہیں ان کی تو نماز رہ بھی جائے تو نمازی شمار ہوتے ہیں یہ جو ساری عمر کے عادی نہیں ہوتے انہیں پاک شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر شاید بیماری میں بھی نماز رہ گئی ہو اس لیے بہتر یہ قانون ہے کہ ہر ایک کو غسل دیا کسی کا حال مت پوچھو۔ ورنہ وہ کسی شادی میں شرکت کے لیے تو نہیں جا رہے کہ غسل وغیرہ کر رہے ہیں سب کو غسل دے رہے ہیں کہ سب کا پردہ رہے کسی ایک کو کراس کر کے دیا گیا تو اس کا پردہ کھلے گا کہ یہ زندگی میں پاک نہیں رہا کرتا تھا کہ اسے اب ضرورت پیش آئی کہ اسے دھو دھا کر پاک کیا جائے۔

اس طرح کی متعدد چیزیں ہیں جن کی ہم پرواہ نہیں کرتے ناپاک چیزیں ملا دیتے ہیں ہم چوری کی کوئی چیز ملا دی بغیر اجازت کے کسی کی کوئی چیز لے کر شامل کر لی ڈیوٹی فرائض خلوص سے روانہ کیے اور تنخواہ کو حلال سمجھتے رہے ناجائز ذرائع آمدن کے بنا لیے اور کھاتے رہے تو حلال میں بھی چند قطرے پیشاب کے ملا لیں تو طیب تو کوئی نہیں رہتا۔ دودھ تو آپ نے جائز طریقے سے لیا اپنی بھینس کا یا کسی گائے کا یا اپنے گھر سے لیا لیکن اس میں جب ناپاک چیز ملا لی تو پھر طیب تو کوئی نہ رہا۔

اس لیے فرمایا غذا کو طیب کرو كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ کھانے کو پاکیزہ رکھو۔ اب جو حلال بھی نہیں ہے پاکیزہ کیسے ہو گا اور حلال کو حرام سمجھنا یہ کفر ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا کوئی جانور چرا لیتا ہے مرغ چرا لیتا ہے یا بکرا چرا لیتا ہے تو اس چوری کے مرغ یا بکرے کو ذبح کرتا ہے تو وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ تکبیر پڑھ کر حرام کو حلال کر رہا ہے حرام کو حلال کرنا یہ کفر ہے۔ جب چوری ہی لے آیا تو بغیر تکبیر پڑھے کھا بھی لے حرام وہ ویسے ہی ہے۔ یعنی حرام پر تکبیر پڑھنا کفر ہے جیسے کوئی خنزیر پہ تکبیر پڑھنا شروع کر دے تو کافر ہو جائے گا۔

حرام کو آپ کسی حیلے سے حلال نہیں سمجھ سکتے اگر حرام کو حلال سمجھیں گے یا کوئی شخص حرام کو حلال سمجھنا شروع کر دے تو یہ کفر ہو جاتا ہے۔ حرام کھانا گناہ ہے۔ اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ حرام کو بحیثیت حرام کھا لینا گناہ ہے حرام جانتے ہوئے کھا لینا گناہ ہے لیکن اسے حلال سمجھنا یہ کفر ہے۔

کوئی شخص کسی کے پیسے لے کر کھا لیتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے گناہ کیا ہے مجھ پہ حلال نہیں تھے تو وہ گنہگار ہے لیکن وہ اسے حلال سمجھتا ہے تو مسلمان نہیں رہتا۔

تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو رزق حلال نہیں ہوتا اس کے تو طیب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب حلال ہی نہیں ہے طیب کیسے ہو گا۔ وہ طیب ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ حلال کما کر ہی فارغ نہ ہو جاؤ بلکہ اس نگرانی کرو اسے ناپاک مت ہونے دو جو حلال کما کر لاتے ہو اسے پاکیزہ کر کے کھاؤ۔

وَاعْمَلُوا صَالِحًا اور کام بھلے کرو اچھے کرو یہ ترتیب اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ غذا طیب ہو گی تو عمل صالح بھی نصیب ہوں گے آپ کیچڑ تھوپتے ہیں دیوار پر اور آپ کہتے ہیں کہ جب یہ سوکھ جائے تو یہ پلستر بن جائے سوکھ کر پلستر کیسے کیچڑ ہے سوکھ کر اس میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔ کیچڑ ہی نکلے گا یعنی کوئی شخص حرام کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب یہ بدن کا حصہ بنے تو نفل پڑھنے لگ جائے تو وہ کیسے نفل پڑھے گا۔ کیسے سجدے کرے گا وہ۔ وہ تو ہے حرام سجدے کیسے کرے گا۔ آپ امید رکھیں کہ اس میں تو بے حیائی آئے گی اس کی وجہ سے جو قوت زبان میں آئے گی تو فحاشی بولنا شروع کر دے گی اس میں سے قوت دست و بازو میں آئے گی تو آپ کو ظلم پہ اکسائے گی زیادتی پہ اکسائے گی کسی برائی کی طرف لے جائے گا۔ حرام ہے وہ تو يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ وہ تو اپنے اصل کی طرف پلٹے گا۔ اس طرف لے جائے گا۔ تو فرمایا نیکی کی طرف چلنے کے لیے غذا کو طیب رکھو پاکیزہ رکھو۔ جب پاکیزہ کما لیا تو حلال کہنے کی ضرورت ہی نہ رہی کہ حرام تو پاک ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ تو سرے سے حرام ہے اسے پاک ہونے کا سوال ہی گیا تو حلال کو بھی پاکیزہ رکھنا شرط ہے۔ یہ کئی دفعہ بات ہوتی ہے۔

مثلاً چھوٹی سی بات ہے ہمارے ہاں مروج چلی آئی ہے نیل پالش تو فقہ میں قانون ہے کہ بچیاں یا خواتین جو آٹا گوندھتی

ہیں وہ آٹا اگر ناخن پہ سوکھ جائے تو وضو نہیں ہوتا وضو کے لیے ناخن کو بھگونا شرط ہے اس پہ کور نہیں ہونا چاہیئے یا آپ نے وضو کر کے آٹا گوندھا تو جب تک وضو ہے لیکن جب آپ نے دوبارہ کیا وہ آٹا وہاں نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اسے گیلا کرنا شرط ہے۔ نیل پالش لگائی پھر وہ ہفتوں لگی رہی اس میں اگر غسل واجب ہو گیا ہے یا وضو کیا یا ہاتھ دھوئے تو وہ جو کور ______

ہے ناخن پر جو کور ہے تر ہی نہیں ہوتے اوپر سے پانی نکل جائے تو وہ بھیگتے ہی نہیں ہیں پاک کیسے ہوں گے یعنی ایک چھوٹے سے فیشن میں سارے خاندان کا کھانا غیر طیب کر دیا اب وہ آٹا گوندھے گی طیب ہی نہیں رہتا جس چیز میں وہ ہاتھ ڈال گئی طیب نہیں رہے گا۔ ہاں جس میں ہاتھ نہیں ڈالے گا وہ پاک ہے۔ تو اس طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں۔

مثلاً ہمارے ہاں رواج ہوتا تھا کہ سارے کان میں سوراخ کرا دیتے تھے۔ پھر آجکل سارے کان میں وہ نہیں پہنتے تو میل جم جاتا ہے خواتین کے سوراخوں میں تو جب وہ غسل کریں تو اس طرح ملیں اگر اندر پانی نہیں جائے گا تو غسل نہیں ہو گا۔ یا ہونے نہیں چاہئیں یا اُن کے اندر پانی جائے۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس لئے یہ زیادہ قیمتی ہیں کہ یہ بڑی باتوں کی بنیادیں ہیں یعنی ہر چھوٹا پتھر جو بنیاد میں لگتا ہے وہ اُس پتھر کے لئے ضروری ہے جو انتہا پہ یا آخری منزل پہ لگا ہوتا ہے۔ وہ تب ہی کھڑا رہ سکے گا جب یہ بنیاد میں لگا ہوا پتھر مضبوط ہو گا۔

اور یہاں حلال کے ساتھ ساتھ طیب کی قید اس لئے لگی ہے کہ اُسے پکانے میں اُسے کھانے میں اللہ کا نام لے کر کھائیں پاکیزگی کا خیال رکھیں دوسروں کا حق غصب نہ کریں۔ دوسروں مال شامل نہ کریں ہو سکے تو کسی دوسرے کو اُس میں شامل کر لیں کوئی خطا ہو جاتی ہے اُس کا کفارہ ہوتا رہے۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۔ اچھے کام کریں ایک چیز تو آ گئی سمجھ میں کہ عمل صالح کی توفیق طیب کھانے سے ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ فرما لیجئے کہ عمل صالح ہوتا کیا ہے۔

"ہر عمل صالح میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے دو باتیں بنیادی ہیں اس کی ایک تو وہ اللہ کے لئے کیا جائے اور دوسرا اس لئے کیا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اس طرح کیا جائے جس طرح رسول اللہؐ نے فرمایا ہے دو باتیں ہوں گی۔ تو عمل صالح ہو گا"

آپ اللہ کے لئے کریں خلاف سنت کریں تو وہ نیکی نہیں ہے۔ آپ سنت کے مطابق کریں لیکن غرض اللہ کی رضا نہ ہو تو نیکی نہیں ہے دونوں چیزیں اس میں موجود ہوں کہ کام اللہ کے لئے کیا جائے اور حضورؐ کی سنت کے مطابق کیا جائے تو عمل صالح ہو گا۔ اب عمل صالح کیا ہے صرف حج یا نماز یا جہاد نہیں ہے۔

آپ راستہ چلتے ہوئے ایک پتھر دیکھتے ہیں ہٹا دیتے ہیں یہ عمل صالح ہے آپ نے راستے میں ایک کانٹا پڑا دیکھا جھک کر اُٹھا یا راستے سے الگ کر دیا کہ کسی اور کو تکلیف ہو گی۔ یہ عمل صالح ہے اور آپ مسواک کرتے ہیں اور اُسے بستی کی دیوار میں ٹھونک دیتے ہیں یہ غیر صالح ہے۔ جو بعد میں وضو کرنے آتے ہیں انہیں ایذا دینے کا آپ کو حق حاصل نہیں وہ دیوار آپ کی ملکیت نہیں ہے اُسے آپ اس طرح استعمال نہیں کر سکتے۔ آپ وضو وہاں کر سکتے ہیں۔ لیکن اُس دیوار میں کھونٹیاں نہیں لگا سکتے تو اُس میں قبضہ نہیں جما سکتے کہ وہاں مسواک ڈال کر آپ چلے جائیں نہیں اس لئے میں نے کہہ دیا کہ اس طرح کی مسواک تر

دل خالی نہیں رہتا۔ آپ تجلیات اور برکات نکال دیں تو وہاں شیطان براجمان ہو جائیگا شیطان تب نکلے گا، جب وہاں نور آ جائے گا۔ یا نور یا ظلمت، اللہ کا نام یا ابلیس کی طاقت۔ دونوں میں سے ایک دل میں مکین رہے گا۔

اخلاق ابراہیمی یہ ہے کہ جہاں اپنوں کے لیے دعا کریں۔ وہاں دوسروں کے لیے بددعا نہ کریں۔ نوع انسانی کا خدا سے بھلا چاہیں۔ ہر ایک کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے لیکن مانگنے والے لازم ہے کہ تمام لوگوں کیلئے اللہ سے کرم اور عفو و درگذر طلب کرے۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

رکھا کریں اپنے پاس رکھا کریں۔

اسلام بے ترتیب زندگی کا نام نہیں ہے اسلام ایک باضابطہ زندگی ہے آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کریں اُسے اپنی جیب میں رکھیں کسی کو کیا اعتراض ہے لیکن آپ میرے سرہانے کیوں رکھتے ہیں میں بیس مسواکیں اپنے کان پر لگائے پھر رہا ہوں لیکن میں آپ کے سرہانے کیوں رکھ دوں جہاں آپ نے وضو کرنا ہے وہاں رکھ دوں یہ تو مجھے حق حاصل نہیں ہے میں باتھ روم استعمال کرتا ہوں تو یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اُسے صاف بھی کروں۔ استعمال کر کے خراب اُسے میں کروں صاف دوسرا کرے۔

”یعنی یہ جو جتنے کاموں کو ہم چھوٹا سمجھتے ہیں یہی بڑے کام ہیں۔ یہاں سے زندگی کی سمت جو ہے متعین ہوتی ہے۔ اب جو آدمی جسے راستہ چلنے کی تمیز نہیں آتی جس آدمی کو وضو کرنے کی تمیز نہیں آتی جس آدمی کو کسی جگہ رہتے سہنے کی لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھنے کی تمیز نہیں آتی آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جو زمین پہ نہیں چل سکتا۔ وہ عرشوں پر چلنا شروع کریگا۔“

یہ الگ بات ہے آپ اس کو تو چھوڑ دیں کہ ہم کیوں سب کو سکھاتے ہیں۔ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے ہماری ڈیوٹی ہے اللہ کا حکم ہے جو پوچھے گا ہم بتائیں گے اور جو سیکھے گا ہم سکھائیں گے یہ الگ بات ہے۔ لیکن کچھ ذمہ داریاں سیکھنے والوں پر بھی ہوتی ہیں کہ جب تک وہ زمین پر انسانوں کی طرح مسلمانوں کی طرح رہنا نہیں سیکھیں گے آپ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ عرشوں پہ چلنا سیکھ جائیں گے۔ تو کسی بھی کام کو چھوٹا نہ سمجھا جائے۔ ہر کام بڑا کام ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا حکم ہے ہر کام بڑا کام ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس سے زیادہ کسی کام کے بڑا یا اہم ہونے کی کیا دلیل ہے۔

آپ کو ملک کا سربراہ ایک کام کرنے کا حکم دے دیتا ہے لیکن وہ کام اتنا ہی ہوتا ہے کہ یہ قلم اُٹھا کے وہاں رکھ دو تو کیا آپ نہیں رکھیں گے کہ یہ چھوٹا سا کام ہے وہ کام چھوٹا نہیں ہے اس کی کہنے والی ہستی بہت بڑی ہے اُس کی نسبت سے یہ کام بہت بڑا ہو جائے گا۔ آپ فوراً وہ کریں گے اسی طرح یہ کام چھوٹے نہیں ہیں ان کے پیچھے سنت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ بہت بڑی ہستی ہے پیچھے۔ ان کے پیچھے اللہ کا حکم ہے اور اس سے بڑائی کیا ہوگی۔ یہ کام چھوٹے تو نہ ہوئے یہ تو بہت بڑے کام ہیں۔ اسی طرح محققین فرماتے ہیں کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو گناہ صغیرہ ویسے فقہائے لکھ دیا ہے ورنہ ہر گناہ اللہ کی نافرمانی ہے اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جب ہر گناہ بجائے خود رب العالمین کی نافرمانی ہے تو صغیرہ کیا ہے۔

تو فرمایا كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور یہاں رسولوں کو مخاطب فرمایا کہ :-

”طیب غذا کھاؤ اور یہ بھی نہیں کہ بھوکے مر دیہ بھی کوئی مسلمانی نہیں ہے یہ مسلمانی نہیں ہے کہ پیسے ہوں اور آپ اچھا کپڑا نہ پہنیں آپ کو اللہ رزق دے اور آپ اچھا گھر نہ بنائیں آپ کو اللہ توفیق دے اور آپ اچھی گاڑی نہ رکھیں نہیں اپنی حیثیت کے مطابق دنیوی شان و شوکت سے رہنا بھی اظہار تشکر کا ایک طریقہ ہے اور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ کافروں سے زیادہ قابلِ عزت ہے۔“

اسلام تو نام ہی یاد الٰہی مجلس ذکر ہی دہرانے کا نام اسلام ہے۔ نو فراڈ (NO FRAUD) کوئی جھوٹ کوئی دھوکا کوئی بدائی کوئی خرابی کوئی ہیرا پھیری اس میں نہیں۔ سیدھی صاف کلین لائف ہے اکرام سے سچ بولو حلال کماؤ حلال کھاؤ سونے کے وقت ڈٹ کر سوئے عبادت کے وقت ڈٹ کر عبادت کرو نہ بیماروں کی طرح سوؤ نہ مریضوں کی طرح عبادت کرو۔ کام کے وقت ڈٹ کر کام کرو مزدوری کے وقت مزدوری کرو جاگ ہے۔ جاگتے وقت اٹھارہ آنے کام کرو لوگ سولہ آنے کریں تم اٹھارہ آنے کرو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ

یہ یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو میں اُس سے بے خبر نہیں ہوں جو عمل بھی کرتے ہو اُس میں یہ بات ضرور یاد رکھو کہ وہ میرے علم میں ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ

اور یہ جماعت انبیاؑ کی جماعت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ساری ایک جماعت ہے چونکہ سب کی بنیاد اللہ کی اطاعت ہے احکام گو علیحدہ ہوں گے عقائد تو ایک ہی ہیں اور جس طرح تم سب کی جماعت ایک ہے اس طرح میں تم سب کا رب بھی ایک ہوں پہلے مسلمان سے لے کر آخری مسلمان تک سب کا قبلہ حاجات میری ذات ہے اس لئے میرا حیا سب سے پہلے قائم رکھو فَاتَّقُوْنِ۔ میرا

لحاظ سب سے زیادہ کیا کرو۔ اب لوگوں نے کر دیا۔
فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا لوگوں نے اپنی اپنی رائے سے مختلف راستے بنا لئے کسی نے کہا جی تقویٰ یہ ہے کسی نے کہا جی نیکی یہ ہے کسی نے کہا جی اچھا کام یہ ہے۔ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ اور ہر شخص نے جو اپنی مرضی سے جو اپنی رائے سے جو راستہ بنا لیا اُس پر وہ خوش ہے اللہ کریم فرماتے ہیں۔ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اے مخاطب انہیں موت آنی ہے۔ جو شخص بھی اپنی رائے سے راستہ متعین کرتا ہے اور اس پر بضد ہے اُسے اُس پر چل لینے دے آخر تو ایک وقت آ رہا ہے جب یہ چیز واضح ہو جائے گی۔ اگر یہ نہیں مانتا تو لڑائی کی کیا ضرورت ہے۔ اُسے چلنے دے فرمایا۔ لوگوں کے پاس دلیل یہ ہے کہ اگر ہم سچے نہیں ہیں تو ہمارے پاس مال و دولت بھی ہے ہمیں اولاد ملی ہے بیٹے بھی ہیں۔
اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ کہ اولاد اور مال یہ ہر چیز دے کر نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ۔ کہ ہم اُس سے بڑے راضی ہیں اس لئے انہیں دولت دے دی اولاد دے دی جائیداد دے دی فرمایا بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ بلکہ یہ بیوقوف ہیں اس دنیاوی رزق کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہے جس سے خوش ہوتے ہیں اُسے دینی نعمت عطا کرتے ہیں اپنا قرب عطا کرتے ہیں اپنی معرفت عطا کرتے ہیں اپنے قریب کر لیتے ہیں۔ رضا کا معنی یہ ہے کہ اس کے دل سے میری یاد غائب نہ ہو دنیوی دولت تو ایک نصاب ہے جس میں امیر غریب بیمار صحت مند چھوٹا بڑا بچہ بوڑھا ایک نصاب مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق یہ پروگرام چل رہا ہے یہ چلتا رہے گا۔ اُس میں تو بعض اوقات جن سے ہم ہم خوش ہوتے ہیں اُن کی اولاد فوت ہو چکی ہوتی ہے جن سے ہم خفا ہوتے ہیں اُن کے دس دس بیٹے ہوتے ہیں۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ یہ ایک الگ نصاب ہے اُس کا اپنا ایک رابطہ ہے ایک انداز ہے چل رہا ہے۔ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ فرمایا یہ بے وقوف ہیں۔ انہیں شعور نہیں۔ جو اس طرح سے سوچتے ہیں یہ بے شعور ہیں۔
ہم جن سے راضی ہوتے ہیں وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ وہ لوگ ڈرتے ڈرتے میری ذات کو اپنے پاس محسوس کرتے ہیں ان سے میں راضی ہو جاتا ہوں وہ تو مجھے اپنے پاس دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۔ ایسے لوگ پھر جنہیں میری باتوں پہ یقین آ جاتا ہے پھر انہیں کوئی شبہ نہیں رہتا وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ۔ پھر وہ میری ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں کرتے پھر وہ کسی کے سامنے سوال نہیں کرتے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے کہ میری نافرمانی کر کے کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کریں۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ میں انہیں دیتا ہوں۔ وہ اُسے بانٹتے چلے جاتے ہیں میرے بندے جو ہوتے ہیں انہیں آپ دیکھیں گے کہ میں اپنی نعمتیں اُن پر برساتا ہوں وہ انہیں تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں روکتے نہیں اس کے باوجود۔
وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اُن کے دل لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ کہ ہمیں اللہ کے حضور جانا ہے کہیں اللہ کے کسی بندے سے زیادتی نہ ہو جائے کسی کا حق رہ نہ جائے کسی کے ساتھ کمی نہ ہو جائے بنیادی بات یہ ہے اللہ فرماتے ہیں جو میرے بندے ہوتے ہیں ایک تو زندگی میں میرے ساتھ میرے روبرو بسر کرتے ہیں اور وہ دوسروں کے لئے جیتے ہیں۔
یعنی انسان کے لئے تو یہی مشکل ہے عام آدمی کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ آخرت کے لئے اپنی آخرت کے لئے جتنا بھی مشکل ہو رہا ہے حق تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کم از کم اپنی آخرت کے لئے زندہ رہے۔ یہاں اپنی آخرت کا کام کرے یہ مشکل ہو رہا ہے

"اللہ فرماتے ہیں جن پر میں خوش ہوتا ہوں وہ زندہ تو رہتے ہیں مگر دوسروں کے لئے اور اس کے باوجود لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ لاکھوں بندگانِ خدا کو سیراب کرنے کے باوجود اس پر فخر نہیں کرتے بلکہ ڈر رہے ہوتے ہیں کہیں کوئی کوتاہی نہ رہ گئی ہو۔ کیونکہ میری عظمت سامنے ہوتی ہے۔"

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وہ میری ہی طرف کھلتے ہیں۔ میرے قرب کی نشانی یہ ہے کہ جسے میری رضا نصیب ہوتی ہے وہ لپکتا ہے نیکی کی طرف وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ اور دوسروں سے پہلے پاتا ہے نیک کام کو اب نیکی سے یہ نہ سمجھ لو کہ ہر

آدمی پہاڑ ہی عبور کرتا پھرے۔

وَلَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہر آدمی اتنا ہی کام کرتا ہے جتنی اس میں جان ہوتی ہے اس سے زیادہ ہم کسی کو مکلف ہی نہیں بناتے ایک آدمی کروڑ پتی ہے وہ کئی کروڑ روپیہ خیرات کردے ایک آدمی کے پاس دس پیسے ہیں وہ آٹھ پیسے گھر کے لئے رکھتا ہے دو پیسے خیرات کر دیتا ہے عین ممکن ہے دو پیسوں میں خلوص زیادہ ہو اور وہ زیادہ نیکی لے جائے یہ کروڑ پتی نہیں ہے اس کے پاس جو کل دس پیسے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کسی ملک کو فتح کر لیتا ہے یا آدمی پہاڑ الٹ کر رکھ دیتا ہے یا ہر آدمی کوئی بہت بھاری کام کرے نہیں۔

" لَا يُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کسی کو اس کی ہمت جرأت طاقت سے زیادہ کا مکلف ہی نہیں بنایا جو طاقت ہم نے دی ہے تھوڑی دی ہے تو تھوڑی خرچ کرے زیادہ دی ہے زیادہ کرے کرے تو سہی۔ یعنی دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس جو سرمایہ بھی ہے کس کی رضا کے لئے کس کی خوشی کے لئے کس طلب میں خرچ کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ زیادہ ہے یا تھوڑا یہ جاتا ہے کہ اس کے پاس جو ہے اس کا کیا کرتا ہے"۔

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ اور ہمارا ذاتی علم تو اس کا کوئی کنارہ ہی نہیں کوئی حد و حساب ہی نہیں اور پھر لوح محفوظ جو ہے وہ بھی انسان کے کسی کردار کو ضائع نہیں ہونے دیتی بلکہ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ کھری کھری ایک ایک بات بتا دیتی ہے کسی کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا بھولتا نہیں لکھا جاتا ہے۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ہم کسی پر کسی کے ساتھ زیادتی بھی نہیں کریں گے کسی نے کوئی رائی برابر بھی نیکی کی ہو ضائع نہیں کریں گے۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا ان کا میں کیا کروں جن کے دل ہی ان چیزوں سے غافل ہیں ہم نے دل دیا اس دولت کے لئے دیا اور انہوں نے اس میں دنیا بھر دی دوسری چیزیں بھر دیں جب اس میں دوسری چیزیں بھری گئیں تو اس کا اثر یہ ہوا۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس کے عمل بھی دوسرے ہو گئے ان اعمال کے علاوہ جو ہم فرما رہے ہیں فرما رہے ہیں فرمایا دل تو دیا تھا اپنے لئے کہ اس میں میری یاد کو رکھتے وہ کام کرتے جو مجھے پسند ہیں انہوں نے میرے بدلے دنیا کی چیزوں کو بسا لیا اختیار کو کسی اور ذاتی منافع کو۔ اس طرح کی جو چیز دل میں براجمان ہے باگ تو اس کے ہاتھ میں ہے اعمال بھی اس کی پسند کے ہوں گے۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ جن اعمال کی نہ قرآن حکیم نے تعیین کی ہے۔ ان کے علاوہ میں ان کے اعمال دوسری طرح کے ہو گئے۔

هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ۔ اور دیکھ تو تمہارے ارد گرد لوگ سب کچھ کر رہے ہیں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

حَتّٰى اِذَا اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ فرمایا بڑے بڑے پھنے خان آپ جن کو کہتے ہیں۔ جب بڑے بڑے پھنے خانوں کو ہم گردن سے پکڑیں گے تو سب چیخیں گے گڑگڑائیں گے تو اس وقت ارشاد ہوگا۔ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ آج گڑگڑانے کا دن نہیں ہے وہ وقت تو گذر چکا اس وقت تم اکڑتے رہے۔

اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ آج تمہیں میری بارگاہ میں کوئی مدد نہیں دیتا اور کوئی مدد کرنے والا ہے ہی نہیں۔

یہ ہے اسلام کا وہ تصور جو اللہ کریم کی طرف سے اللہ کی کتاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف ملتا ہے۔ اسلام پیر کا نہیں ہے۔ اسلام مولوی کا نہیں ہے اسلام سب مسلمانوں کا ایک سا ہے یہ جو ہم نے تقسیم بنا رکھی ہے تاکہ جی اسلام کا اعلیٰ حصہ پیر کے لئے ہے اس سے کم تر مولوی کے لئے ہے۔ جو بالکل ناکارہ ہے وہ ہمارے لئے ہے ایسا نہیں ہے اسلام میں کوئی ڈگری نہیں ہے کہ فسٹ ڈگری پیر کے لئے ہے سیکنڈ ڈگری مولوی کے لئے ہے تھرڈ ڈگری اسلام ہم نے اپنا لیا ہے۔ یہ نہیں ہے"۔

اسلام میں صرف مین (MAN) ہے یہ کامن مین (COMMON MAN) اور لے مین (LAYMAN) یہ ساری بدمعاشی یورپ کی ہے اسلام ہر انسان کو انسان سمجھتا ہے یہ گھٹیا آدمی عام آدمی اور کمزور آدمی کی اصطلاحیں یہ سب یورپ کی ہیں اور یہ بڑے بدمعاش ہیں ہمارے بڑے بڑے دانشور بنے ہوئے جو ہیں جس کے سمجھ

یال نہ ہوں جو خدا اور رسول کو کیوں اس کرتا ہو وہ بڑا دانشور ہے ہمارے ہاں صرف یہ بات ہے کہ جو دین کی متر بھاڈ کر بات کرے وہ دانشوری کا سرٹیفکیٹ پا لیتا ہے ان گدھوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ تھرڈ ورلڈ جو ہے یہ ان کی بدمعاشی ہے جس طرح آپ کے ہاں نہیں ہوتا میٹرک کا انہوں نے بنا لیا ہے تھرڈ ڈویژن کیا ہے بھئی آپ یا تو اُس غریب کو فیل کر دیں یا اُسے ان کے برابر سٹیٹس دیں۔ یعنی اگر آپ ایک بچے کو میٹرک سے پاس کرتے ہیں تو وہ پاس ہو گیا اُسے جس طرح فسٹ کو یا سیکنڈ کو چانس دیتے ہیں اُسے سٹیٹس دیں اور اُن کے برابر ان کو کو چانس دیں اور اگر اُس کے برابر اُسے نہیں دیتے تو آپ اُسے فیل کر دیں یہ تھرڈ ڈویژن ہے کہیں نوکری کے لئے جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تم تھرڈ ڈویژن ہو اگر کہیں داخلے کے لئے جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں تم تھرڈ ڈویژن ہو تمہیں داخلہ ہی نہیں دیتے تو یہ تھرڈ ڈویژن کیا ہوئی ایک آدمی کو ناکارہ کر دیا اس کی زندگی برباد کر دی۔ اور اُس کے ذہن میں سیکلاجیکلی اس کے دماغ پر یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ میں زندگی بھر کچھ نہیں کر سکتا یہ آدمی ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا ہے۔

یہاں سے ٹیکنیشن اُٹھتے تھے سائنٹسٹ اُٹھتے تھے ڈاکٹر اُٹھتے تھے اور وہ مغرب کو مات کر گئے ان بے ایمانوں نے سوچ سوچ کر یہ تھرڈ ورلڈ کا لفظ ایجاد کیا کہ وہ تھرڈ ڈویژن کی طرح ان تمام ممالک کو تھرڈ ورلڈ کہہ دو کہ یہ ذہنی طور پر پستی میں چلے جائیں کہ جی ہم تو تھرڈ ورلڈ ہیں ہم سے بھلا یہ کام کیسے ہو سکتا ہے۔ یعنی ایک لفظ ایجاد کر کے انہوں نے پورے ایشیائی ممالک کا ذہنی طور پر دیوالیہ کر دیا۔

اور اب یہ بڑے بڑے دانشور تھرڈ ورلڈ کہتے ہیں تھرڈ ورلڈ ہے کیا وہاں کے آدمی یہاں سے طاقتور ہیں یہ ہمیں طعنہ دیتے ہیں ہم تو انگریزی کو اس طرح سے استعمال کرتے ہیں جس طرح گھر کی زبان ہے

———— یہاں سو سال حکومت کی اردو کا ایک جملہ نہیں بول سکتے"

امریکہ میں کچھ تقریریں انگریزی میں کرنا پڑیں تو میں نے کہا غلط بھی ہوں گی تو کریں گے یہ کہاں صحیح اُردو بولتے ہیں ہمیں کہا ہے صحیح ہو گی تو ہو گی ہمیں تو اپنے مطلب کی بات کہنی ہے غلط ہوتی ہے تو ان کی انگریزی غلط ہوتی ہے یہ جو جلوس ہماری اُردو کا نکالتے ہیں ہمیں کیا خطرہ ہے ان سے۔

تو یہ انہوں نے تھرڈ ورلڈ کہہ کر بھی ہمارے ان ذہنوں کو ذہنی طور پر ان پورے ایشیائی ممالک کو انہوں نے پستی میں پھینک دیا اور یہ ہمارے بڑے بڑے دانشور جو ہیں اسے چیلا رہے ہیں ورنہ اللہ کے نزدیک ہر انسان انسان ہے کوئی آدمی گھٹیا نہیں ہے کوئی تیسرے درجے کا آدمی نہیں ہے کوئی ملک تیسرے درجے کا نہیں ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کسی گورے کو کالے پر کسی سرخ کو زرد پر کوئی فضیلت نہیں۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں وہی معزز ہے جو زیادہ متقی ہے اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے اُس کے لئے گورا ہونا کالا ہونا فقیر ہونا امیر ہونا بڑا قد والا ہونا چھوٹے قد والا ہونا کوئی شرط نہیں ہے بلکہ فاروق اعظمؓ جیسے امیر المومنین حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا بلالؓ کہتے تھے ایک آزاد کردہ غلام ہیں۔ سیدنا بلالؓ کہتے۔ تو اسلام میں یہ چیزیں نہیں ہیں ہم بھی یہاں آ کر یہ تھرڈ ڈگری اسلام کی مار کھا گئے یہ فسٹ ڈگری اسلام کی پیر صاحب کی کوئی کرے یا نہ کرے اُس کا اسلام فرسٹ ڈگری کا ہے وہ نماز نہ پڑھے تو بھی روزہ نہ رکھے تو بھی دیکھیں پیر پگاڑے کو یعنی جو دنیا کی خرافات ہیں وہ اُس میں ہیں اور وہ پروردگار بنا ہوا بیٹھا ہے۔

یہ تو ایک ہے اس طرح کے کتنے خدا بنے ہوئے ہمارے ملک میں ہیں۔ دوسرے درجے کا اسلام مولوی صاحب کے پاس ہے اور ہمارے پاس اسلام تیسرے درجے کا ہے ٹوٹا پھوٹا تھرڈ ڈویژن آپ کہہ لیا۔

تو اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے وہی اسلام پیر صاحب کا ہے وہی اسلام میرا ہے وہی اسلام آپ کا ہے وہی اسلام تابعین تبع تابعین صحابہ کا اور وہی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چونکہ ہر وہ کام اسلام ہے جو حضورؐ نے کیا یا کرنے کا حکم دیا یا جس کام کو حضورؐ نے پسند فرمایا۔ تو ہمیں ان چیزوں

سے بالاتر ہو کر اسلام کو خود نہیں سمجھنا ہو گا اور یہ بات جہاں تک ہماری آواز جائے اپنے مسلمان بھائیوں کو بھائیوں کو بھی سمجھانا ہو گی کہ اسلام سب کا ہے ہر گھر جو ہے مسلمانوں کا:

"ہر گھر میں قرآن پڑھا جانا چاہیئے ہر بچہ ہر بچی جو ہے اُسے کم از کم نماز روزہ وضو روزمرہ کے مسائل، غسل کے مسائل کوئی کر جائے اُسے دفن کیسے کرنا ہے کسی کے گھر بچہ پیدا ہو اُس کے کان میں آذان کیسے کہنا ہے ہمیں کھانا کیسے پکانا ہے ہمیں کھانے پینے کی دعایئں جو مسنون ہیں کم از کم اتنا تو آنا ہو کاروبار میں کیا چیز جائز ہے کیا ناجائز ہے جھوٹ نہیں بولنا جھوٹ کسے کہتے ہیں کسی کو دھوکا نہیں دینا اور روزمرہ کی زندگی میں کسی کو ڈسٹرب نہیں کرنا"

میں آتا ہوں یہاں میں ایک کپڑا اُتار کر اس کھونٹی پہ لٹکا جاتا ہوں ایک رومال اُس کھونٹی پہ لٹکا جاتا ہوں کوئی چیز وہاں پھینک جاتا ہوں یہ خلاف اسلام ہے۔

اور اسلام اعلیٰ اقدار کا نام ہے یعنی ہر آدمی کو اسلام میں ہر انسان کو انسان سمجھا ہے اور اُسے آزادی دی ہے لیکن ہر انسان کی آزادی کی ایک حد ہوتی ہے آپ کی آزادی اپنی ناک تک ہے اگلے کی ناک تک نہیں کہ آپ گھونسا ماریں اور اس کی ناک توڑ دیں یہ آزادی نہیں ہے یہ دوسرے کی آزادی میں مداخلت ہے یعنی آزادی تب تک ہوتی ہے جب تک آدمی کسی دوسرے کے لئے پریشانی پیدا نہ کرے کسی دوسرے کے لئے پریشانی پیدا کرنا یہ آزادی تو نہیں ہے یہ تو دوسرے کی آزادی میں مداخلت ہو گئی۔ تو ایک آدمی کو آزادی حاصل نہیں ہے سب کو آزادی ہے۔ آزادی کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص ایک برابر حیثیت رکھتا ہو ایک اللہ کا بندہ ہے ایک نبی کا امتی بن کر باہمی عزت و اخلاق کے ساتھ رہے ہاں دنیا میں ذمہ داریاں مختلف ہیں اُس کے لحاظ سے اللہ کسی کو عزت دیتا بھی ہے اُس کی عزت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بحیثیت انسان سپیریر SUPERIOR ہو گیا ہے وہ

بھی انسان ہے اُس کو بھی جب موت آئے گی اس راستے ہو کر جائے گا۔ اُسے بھی اُس کے حضور جواب دینے کے لئے کھڑا ہونا ہو گا۔

یہاں آپ کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں تو دراصل اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہاں آپ کو محض تنگ کرنا مراد نہیں ہوتا اپنی مرضی کا کھانا نہ ملے اپنی مرضی سے سو نہ سکیں مرضی کی گنجائش نہ ملے مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ عملی طور پہ پریکٹیکلی اُن چیزوں کو سیکھیں اور اُنہیں اپنائیں اور اپنی باقی پوری عملی زندگی میں انہیں اختیار کریں کہ کسی طرح سے رہنا ہے کس طرح سے سونا جاگنا ہے کس طرح سے پانی پینا ہے کس طرح سے کھانا کھانا ہے کس طرح سے باتھ روم میں آنا جانا ہے کس طرح سے دوسرے کے لئے گنجائش رکھنی ہے کس طرح سے دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا ہے

تو یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ بنیاد ہیں آپ کے سلوک کی اگر ان چیزوں میں کسی کو ملکہ حاصل نہیں ہو گا۔ تو مراقبات آ بھی سکتے ہیں اور آئے ہوئے جا بھی سکتے ہیں آ بھی سکتے ہیں آنا تو اللہ کی طرف سے اور شیخ کی توجہ سے ہوتا ہے لیکن اگر آدمی کی اصلاح نہ ہو تو وہاں یہ نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتی۔ کیونکہ جب تک کسی وجود میں استعداد پیدا نہ ہو اُس چیز کے رہنے کی تو وہ وہاں مسکن تو نہیں بناتی تو یہ سارا میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ایک ایک کام جو آپ کرتے ہیں کم از کم یہاں تو آپ گھر سے فارغ ہیں تو جتنے دنوں کا آپ پروگرام لے کر آتے ہیں پچھلے تمام پروگراموں کو ذہن سے نکال دیں اور یکسوئی کے ساتھ بسر کرنا سیکھیں اور پھر جو یہاں کرتے ہیں جو یہاں سیکھتے ہیں اُسے پوری زندگی میں اپنائیں۔

مسلمان کو ایسا ہونا چاہیے کہ کچھ لوگ اُس کے سہارے زندہ رہ سکیں ایسا نہیں کہ وہ دوسروں کے سہارے زندگی گذارے کیونکہ مسلمان بنیادی طور پہ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اسے دوسروں کو زندہ رکھنے کے لئے ایک قوت دے کر پیدا کیا ہے اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عاشقِ رسولؐ

حافظ عبدالرزّاق

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں وہ کون سی بات ہے جو اتنی جاذبیت اور محبوبیت رکھتی ہے کہ چاہنے والے محبت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

(۱) اسے اللہ نے بھیجا ہے۔
(۲) وہ ہم میں سے ہے۔
(۳) چوٹ مجھے لگتی ہے درد اسے ہوتا ہے۔
(۴) اسے ہر وقت میری بہتری کی فکر رہتی ہے

یہ چار وصف ایسے ہیں کہ ان تعلق پوری انسانیت ہے اسے پہچان لینے کے بعد بھی اس سے محبت نہ کرے تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس کے پہلو میں دل نہیں پتھر ہے۔

عنوان میں تین الفاظ خاص طور پر تشریح طلب ہیں اس کے بغیر دعوی کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں نہیں آسکتی اور وہ ہیں عشق، مومن، میراث۔

۱ ــــــ عشق۔ یہ لفظ ایک نہایت قوی جذبے کے لیے اردو اور فارسی ادب میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ مگر یوں لگتا ہے کہ اس میں عظمت یا تقدس کا عنصر مطلوبہ معیار کا نہیں پایا جاتا جبھی تو اللہ کریم کی آخری کتاب میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا حالانکہ یہ خالص عربی زبان کا لفظ ہے۔ بلکہ اس جذبے کے لیے قرآن حکیم میں لفظ "محبت" استعمال ہوا ہے اسی طرح احادیث نبویؐ میں بھی جہاں اس جذبے کی عظمت کا اظہار مقصود ہو وہاں لفظ محبت ہی استعمال ہوتا ہے۔ اہل ذوق نے داخلی کیفیات کے پیش نظر اس جذبے کے کئی مدارج بھی مقرر کر رکھے ہیں

مثلاً میلان، رجحان، دلچسپی، عشق جنون، شعراء کے نزدیک محبت
اور عشق کا لفظ ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ جنون
محبت کا انتہائی بلند درجہ خیال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک واقعہ
بھی مشہور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امیر
معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تو ایک
روز بیت اللہ کے طواف کے دوران قیس عامری سے ملاقات
ہوئی۔ آپؓ نے اس سے کہا دیکھو میں نے کیا اچھا کیا مسلمانوں
کی بہتری کے لیے ایک مدبر حکمران کو حکومت سونپ دی، قیس
کہنے لگا۔ حسن بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ حکومت نہ تجھے سجتی ہے نہ
معاویہ کو ـــ آپؓ نے حیران ہو کر پوچھا کہ پھر کس کو سجتی ہے؟
کہنے لگا ـــ حکومت صرف لیلیٰ کو سجتی ہے۔ آپؓ نے یہ سن کر بے ساختہ
کہا انت مجنون ـــ یہ لفظ ایسا مشہور ہوا کہ آج اسے قیس عامری
کے نام سے شاید ہی کوئی جانتا ہو بس مجنوں کا لفظ ہی زبان زد
خاص و عام ہے۔

بہر حال عشق کے لیے یا محبت و جنون یہ جذبہ اپنے وجود
اور اپنے اظہار کے لیے طرفین کا متقاضی ہے۔ یعنی ایک ہو عشق
کرنے والا، دوسرا ہو وہ جس سے عشق ہو۔ یعنی ایک عاشق ہو اور
ایک معشوق۔ ایک محب ہو، دوسرا محبوب۔ تو جب عشقِ رسولؐ کی
ترکیب استعمال ہو گی تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محبوب تو ہے
اللہ کا رسول اور محب کوئی دوسرا ہے اور بات آگے چلے گی تو
اس دوسرے سے جو چاہنے والا، محبت کرنے والا اور محبت کی
اداؤں پر مرمٹنے والا ہو گا۔

(۲) ـــ مومن۔ ایمان کہتے ہیں جاننے، تسلیم کرنے اور
یقین رکھنے کو، اور مومن کہتے ہیں ماننے والے کو۔ مگر اصطلاحِ شریعت
میں مومن سے مراد وہ شخص ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے اعتقاد، آپ کی ذات پر یقین کے ساتھ ان تمام ان دیکھی حقیقتوں
کو دل سے تسلیم کرے جن کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دیں اور یقین اس درجے کا ہو کہ اس کی عملی زندگی میں ہر کام کی
بنیاد اور محرک بن جائے۔ اگر اس ایمان اور یقین میں چھاپ اس کی
زندگی میں دکھائی نہیں دیتی تو یہ ایمان ناقص ہے یا یوں کہیے کہ ایمان
کی محض ایکٹنگ ہے اور وہ مومن دنیا کو سٹیج اور زندگی کو ڈرامہ سمجھتے
ہوئے اور ایک ایکٹر کے فرائض سرانجام دے رہا ہے اور اگر وہ مومن
دنیا کی ہر چیز چھوڑ سکتا ہے مگر نبی کریمؐ کے حکم کی تعمیل اور پسند نہیں
چھوڑ سکتا تو وہ حقیقی مومن ہے اور جو جذبہ اسے اس ترک و اختیار پر
آمادہ کرتا ہے وہی عشقِ رسولؐ یا محبتِ رسول ہے۔

۳ ـــ میراث۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو ایک سے
دوسرے کو منتقل ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے وورث
سلیمان داؤد اور

واورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا

اور فخلف من بعد ھم خلف ورثوا الکتب۔

علیٰ ہذا القیاس تو جب "مومن کی میراث" کی ترکیب استعمال
ہو گی تو لازماً اس سے مراد یہ ہو گی کہ پہلوں سے پچھلوں کو یہ ورثہ
منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

اب عنوان کے اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔ پہلا سوال
یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں وہ کون سی بات
ہے جو اتنی جاذبیت اور محبوبیت رکھتی ہے کہ چاہنے والے محبت
کرنے پر مجبور ہو جائیں اس کا اصل جواب تو وہ ہے جو ربِ محمدؐ نے دیا
لیکن وہ جواب جو اپنوں اور غیروں کی سر آنکھوں کے مشاہدہ میں آیا
وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ ربِ محمدؐ فرمایا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ
مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ یعنی اس میں جاذبیت کا پہلا عنصر یہ
ہے کہ اسے ہم نے بھیجا ہے ـــ ہم کون؟ تمہارا خالق، تمہارا
رزاق، تمہارا مالک، اس لیے ظاہر ہے کہ تمہارے فائدے
تمہاری بہتری اور تمہاری بھلائی کے لیے بھیجا ہے۔ دوسری
بات یہ کہ تمہاری جنس سے ہے۔ تاکہ غیریت اور اجنبیت کا
شکار نہ ہو جاؤ کیونکہ ہم نے تمہاری فطرت میں یہ بات رکھی ہے
کہ الجنس یمیل الی الجنس۔ تیسری بات یہ ہے کہ چوٹ تمہیں لگتی
درد اسے ہوتا ہے یہ چوٹ جانے کیا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہ محض شاعرانہ تعلّی ہے ہاں اگر یہ بات صادق آتی ہے
تو اسی پہ جو محسنِ کائنات بھی ہے اور محبوبِ کائنات بھی۔
چوتھی بات یہ ہے کہ اسے ہر وقت تمہاری بہتری کی

فکر رہتی ہے۔

یہ چار وصف ایسے ہیں کہ ان کا تعلق پوری انسانیت سے ہے خواہ کوئی ماننے والا ہو یا انکار کرنے والا۔ رہے وہ لوگ اس کے ساتھ پیمانِ وفا باندھ چکے ہیں جنہیں مومن کہا جاتا ہے ان کے متعلق تو ربِ کریم نے اطلاع دی کہ وہ بالمومنین رؤف رحیم۔ رؤف اسے کہتے ہیں جس میں دوسروں کے لیے رحمت و شفقت اس درجے کی ہو کہ جس سے بلند درجے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سچ کہا ہے جس نے کہا۔

واحسن منك لم ترقط عيني
واجمل منك لم يلد النساء
خلقت مبرا من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

ان حقائق کے پیشِ نظر جس شخص کے سینے میں دل ہے اور سر میں بھیجا ہے وہ اسے پہچان لینے کے بعد بھی اس سے محبت نہ کرے تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس کے پہلو میں دل نہیں پتھر کی سل ہے یا برف کی قاش اور اگر وہ مومن بھی اور اس محبوب سے محبت کرنے کا جذبہ اس کے اندر مفقود ہو تو صرف محبت نہیں بلکہ ایمان ہی مفقود ہے اسی لیے تو اس نے اپنے رب کی طرف سے اپنی زبان حقیقت سے ترجمان سے اعلان فرما دیا کہ

یعنی تم میں سے کوئی مومن ہو نہیں سکتا جب تک اس کے دل میں اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور تمام جہان سے بڑھ کر میری محبت موجود نہ ہو گی،،

یوں سمجھیے کہ ایمان نام ہی محبتِ رسولؐ کا ہے یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس کی دنیوی زندگی اس پر ایمان لائے اور جن میں اس محبوب نے ۲۳ سال گذارے ان میں سے بھی کسی نے اس کے ساتھ محبت کی۔؟ تاریخ کی روشنی میں اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ کسی ایک کے نہیں سب نے محبت کی اور ایسی کی کہ محبت کرنے کا حق ادا کر دیا اور محبت کا معیار قائم کر دیا۔ ایسی محبت نہ تو ان سے پہلے کسی نے کی نہ بعد میں کوئی کر سکتا ہے

تین گناہ ایسے ہیں کہ اُن کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے۔ (۱) حق کے خلاف جھنڈوں اور نعروں کے ساتھ اعلاناً کوشش کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا اور (۳) ظالم کی امداد کرنا۔

(حدیث)

اس سے محبت کرنے والوں میں امام العاشقین ابوبکر صدیق کو دیکھو۔ گھر بار، مال و دولت اور اپنا سارا کنبہ اس کی محبت میں قربان کر دیا۔

اس کے چاہنے والوں میں عمر فاروقؓ کو دیکھو جس کے لیے خود اس محبوب نے دعا کی تھی کہ اللہ! ابوجہل اور عمر بن الخطاب میں سے جو تجھے پیارا ہے مجھے دے دے۔ اللہ نے دے دیا اور اس نے ایمان لاتے ہی اعلان کر دیا کہ خدائے محمدؐ کی عبادت چھپ کے نہیں سر عام ہو گی میں دیکھوں گا کہ کوئی مائی کا لال روکتا ہے چنانچہ اس نے جو کہا وہ کر کے دکھایا۔

اس کے شیدائیوں میں عثمان غنیؓ کو دیکھو اس کی محبت میں کبھی یہودیوں سے کنواں خرید کر وقف عام کر رہا ہے کبھی مدینے کے غرباء میں قحط کے زمانے میں ہزاروں من غلہ تقسیم کر رہا ہے کبھی اس کے پروردہ ابن علم کی شادی کے لیے تمام مالی بوجھ برداشت کر رہا ہے اور اس کی شفقت اور قدردانی دیکھو کہ یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں اس کے عقد میں دے رہا ہے۔

اس کے محبت کرنے والوں میں علی المرتضیٰؓ کو دیکھو کہ ہجرت کے موقع پر اس کے خون کے پیاسوں کے ارادہ کو جانتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل میں بڑے اطمینان سے اس کی چارپائی پہ دراز ہو رہا ہے۔

اس کے چاہنے والوں میں بلال حبشیؓ کو دیکھو اور جندال کو دیکھو، جناب بن ارت کو دیکھو، آل یاسرؓ کو دیکھو، حضرت حبیبؓ کو دیکھو، ابوطلحہؓ کو دیکھو، عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھو، حضرت حذیفہؓ کو دیکھو مگر تم کب تک دیکھو گے تمہاری آنکھیں دیکھ دیکھ کے تھک جائیں گی اور ان پروانوں کی تعداد ختم نہ ہوگی اس لیے تھوڑی دیر دیکھنا

موقوف کردہ، اس سے پوچھو جو محبوب سے اس کی سنو جس سے محبت کی جا رہی ہے وہ اعلان کر رہا ہے۔ اَحَبَّهُم فَبِحُبِّي اَحَبَّهُم وَ البُغضَهُم بِبُغضِي اَبغَضَهُم ۔ یعنی بعد میں آنے والو کان کھول کر سن لو یہ میرے شیدائی اس درجے کے شیدائی ہیں کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

محبت اپنے ثبوت میں اطاعت مانگتی ہے۔ اور اطاعت کرنے کے لیے حکم ملنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور یہ لوگ تو محبت کی راہ میں اطاعت کی سرحدوں سے اوپر جا کر اتباع کے معاملے میں مثال قائم کر گئے۔ یہ لوگ تو محبوب کی پسند پر جان دیتے تھے محبوب کی اداؤں پر مرتے تھے، محبت کرتے ہیں یہ لوگ وہاں پہنچے کہ رب کریم نے اعلان فرما دیا۔

اولئک هم الصادقون۔ اولئک هم الراشدون اولئک هم الفائزون۔ اولئک هم المتقون۔

اور محبت میں جان کی بازی لگا دینے کا جو سودا کیا۔ اللہ کریم نے اس کی اتنی قدر فرمائی کہ بشارت۔

فَاستَبشِرُوا بِبَيعِكُمُ الَّذِي بَايَعتُم بِه

پر اور ان کی زندگی میں ہی انہیں یہ سند قبولیت عطا فرمائی کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب یہ لوگ اور یہ جماعت پہلے مومن تھے اور پہلے عاشق رسول ﷺ تو جس طرح ان لوگوں نے دولت سمیٹنے میں پہل کی اسی طرح دولت عشق بھی انہوں نے کما کے حاصل کی تو لامحالہ یہ میراث ان کے بعد دوسرے مومنوں کو منتقل ہوئی تو اس میراث کے مستحق کون لوگ ہیں۔

جہاں تک دولت ایمان کا تعلق ہے اللہ کریم نے ان کے ایمان کو ایسا معیاری ایمان قرار دیا کہ فرمایا۔

فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا

یعنی بعد میں آنے والوں میں سے جو شخص اس طرح ایمان لایا جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ ایمان قبول ہوگا ورنہ مردود۔ اور جہاں تک دولت عشق کا تعلق ہے اللہ کریم نے اس کے متعلق اعلان فرمایا۔

وَالسّٰبِقُونَ الاَوَّلُونَ مِنَ المُهٰجِرِينَ وَالاَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِاِحسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ

یعنی مہاجرین اور انصار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ شیدائی ہیں کہ اللہ نے ان سے راضی ہونے کی سند دے دی اب ان کے بعد جو سچے دل سے ان کا اتباع کرے گا یہی نعمت اسے بھی ملے گی ——

یعنی ان لوگوں نے عشق کی دولت اتباع رسول ﷺ کے ذریعے کمائی اب جو ان کی اتباع کرے اسے ہی یہ میراث ملے گی۔ یہ اتباع سنت ہی وہ چیز ہے جسکو اللہ، رسول نے معیار محبت قرار دیا ارشاد ہے۔

من احب سنتی فقد احبنی یعنی جس کو میری سنت کے اتباع سے محبت ہے وہ میرا محب اور چاہنے والا ہے ورنہ محبت کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور وہ قبول نہیں۔

دنیوی میراث کے متعلق یہ مسلمہ اصول ہے کہ میراث اسے منتقل ہوتی ہے جو کسی کی صحیح اولاد اور جائز وارث ہو اسی طرح دولت ایمان اور دولت عشق کی میراث بھی اسے پہنچتی ہے جو صحابہؓ کا صحیح متبع ہو کیونکہ وہی پہلے مومن اور پہلے عاشق تھے اور صحابہ کے اتباع سے روگردانی کرے یا ان سے بغض رکھے وہ نہ تو ایمان کی میراث پا سکتا ہے نہ عشق رسول ﷺ کی۔ ہاں بغض صحابہ کی وجہ سے وہ بغض رسول ﷺ کی دولت سے مالامال ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی اہل ایمان نے ایمان اور عمل میں صحابہؓ کے نقش قدم پر چل کر اتباع سنت کا اہتمام کیا عشق رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار رہے جہاں یہ جذبہ کمزور ہوا یا ختم ہوا وہاں یہ حقیقت سامنے آکر رہی کہ

ع عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

یہ ہمارے دور کا المیہ ہے کہ یہاں ایمان کے دعویٰ کے ساتھ عمل کی صورت یہ ہے کہ مومنین اور مومنات بازاروں میں جلوس نکال کر نعرے لگاتے ہیں کہ رسول ﷺ کی بات نامنظور اور ایشیا سرخ ہے اور یہ صورت عوام تک ہی محدود نہیں خواص اور اخص الخصوص کا یہ عالم ہے کہ رسول ﷺ کی بات ٹالنے کے لیے ہر وہ ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں جس میں کافر کو بھی شرم محسوس ہو۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

یہ تیرے پُراسرار بندے

قاری

ایک غزدہ سے واپس مدینہ پہنچنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا "ہم جہاد اصغر سے واپس جہاد اکبر کی طرف آ گئے ہیں" اس ارشاد گرامی کی تفصیل یہ ہوئی کہ میدان جنگ میں کفار و مشرکین سے قتال و مقاتلہ جہاد اصغر ہے لیکن نفس و شیطان سے ہر گھڑی مقابلہ کرنا اور ان نفسانی اور شیطانی قوتوں کو مغلوب کرنا جہاد اکبر کہلاتا ہے دشمنان دین سے میدان جنگ میں معرکہ تو کبھی کبھار پیش آتا ہے، لیکن نفس و شیطان کے خلاف "ایک جنگ" ہر لمحہ ہر حال اور ہر جگہ جاری رہتی ہے اس طرح ایک مومن زندگی بھر جہاد میں مصروف رہتا ہے۔ کلمہ اس مجاہد کی "قسم بریڈ" ہے اسلامی عقائد و نظریات اور اعمال صالحہ زندگی کے میدان میں اس کے ہتھیار ہیں۔ اس معرکۂ کارزار میں ایک فریق "حزب اللہ" اور دوسرا فریق حزب الشیطان ہوتا ہے سپاہ حزب اللہ کی تنظیم کے سپریم کمانڈر خود امام انبیاء صلعم ہیں اور پھر اولیائے امت جنگی درجہ بندی تصرف کے سلسلہ نقشبندیہ اولیسیہ کے لٹریچر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے جو بیان زیر بحث ہیں۔

نبوت کے دو پہلو ظاہری اور باطنی ہیں ظاہری پہلو علمائے حق نے سنبھال لیا اور باطنی پہلو پر اولیائے کرام نے کام کیا۔ علماء نے اگر امت کو اسلحے سپلائی کئے تو اولیائے عظام نے ان اسلحوں کے لیے بارود اور ایمونیشن فراہم کیا۔ کلمہ طیبہ اور اسلامی عقائد کے الفاظ اور عبارات پڑھ لینا اور پھر پڑھ کر سمجھ لینا اور پھر پڑھ کر سمجھ لینا ایک چیز ہے لیکن اس کلمے کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانا دوسری بات ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اطہران تمام کیفیات کا امین تھا۔ بحالت ایمان جس نے بھی آپ کا دیدار کر لیا وہ صحابی کہلایا۔ صحابیت اسی کو نصیب ہوئی جس کا دل اس "ڈائریکٹ انڈکشن کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مقناطیس کے ساتھ انسولیٹر "INSULATOR" عمر بھر رہ کر بھی ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔ جو دل کنڈکٹر "CANDVCTOR" کی خصوصیات رکھتا ہو وہی اثر قبول کرے گا۔ وہی "قلب سلیم" ہے جو صحابہ کرام کو نصیب ہوا تھا۔ اسی بناء پر سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ کو گالی مت دو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر احد پہاڑ کے برابر بھی تم میں سے کوئی سونا خرچ کر دے تو ان کے ایک یا نصف مشت کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ گویا ثواب جو آخرت کی کرنسی" ہے

اس کی قیمت کا مدار ان ہی کی کیفیات پر ہے۔ جو امت میں سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور یہی اسلام کی اور ایمان کی اصل روح ہیں۔ اور آج مفقود ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ؎

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی۔

مزید افسوس یہ ہے کہ آج احساسِ زیاں بھی جاتا رہا۔ جو لوگ دین کی خدمت پہ مامور ہیں ان کو بھی اس کی اہمیت کا احساس نہیں علمائے کرام ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد ان کیفیات کے حصول کے لیے کسی نے کسی ایسی ہستی کی تلاش کرتے اور پھر اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور "اس طرح مسلح" ہو کر دعوت حق کے میدان میں دین کے سپاہی بن کر نکلا کرتے تھے لیکن آج یہ لوگ بغیر گولہ بارود کے توپیں اور بندوقیں سنبھالے ہوئے ہیں اور مطمئن بیٹھے ہیں۔ خصوصاً وہ خوش بخت جنہوں نے تبلیغ دین ہی کو زندگی کا مشن بنا رکھا ہے وہ بھی گویا خالی "ڈنڈے" سنبھالے اس دورِ پرفتن میں شیطنت کو زیر کرنے نکل پڑے ہیں۔ حالانکہ اس جماعت کی ابتدا ظاہر و باطن دونوں پر مشتمل تھی۔ چلے کا کچھ حصہ کسی اللہ والے کی خدمت میں گزرتا اور پھر کچھ تبلیغ میں وقت صرف کیا جاتا تھا۔ خود شیخ الحدیث نے تنبیہہ فرمائی تھی کہ بغیر ذکر کے تبلیغ محض علت پھرت رہ جائے گی۔"

> حضرت مولانا الیاسؒ مبلغین کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ذکر ہمارے کام کے لیے روح ہے۔ اختلاط عوام کی وجہ سے قلب پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ میں اس کو دھونے کے لیے سہارن پور یا رائے پور جاتا ہوں۔"
>
> دل اگر ان کیفیات و انوارات سے خالی ہو تو زبان سے نکلنے والے الفاظ کی رسائی کی حد کانوں کے راستے ذہن تک ہے اگر بشر کا دل انوار و تجلیات باری کا امین ہو تو پھر دل سے نکلنے والی بات ضرور دلوں کو ہی متاثر کرتی ہے۔ علمائے کرام اور اولیائے عظام کی تبلیغ میں یہی ایک واضح فرق ہے۔ ایک ایک اللہ والے نے لاکھوں دلوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔

قلب چونکہ جسم انسانی میں دارالحکومت کی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان کی سب سے بڑی کوشش اسی دارالخلافہ پہ قبضہ کرنے کی ہوتی ہے۔ وہاں ہی وہ اپنے وسوسوں کے جاسوس بھیجتا ہے اور وہاں ہی قبضہ کر لینے کے بعد سارے تن بدن پر حکومت کرتا ہے اسی واسطے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس خطرے سے آگاہ فرما دیا تھا کہ اگر یہاں دشمن غالب آگیا تو پھر انسانی قول و فعل سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ صوفیائے کرام کا مقصود قلوب کو ذاکر بنا کر واصل باللہ کرنا ہے یہی تو وہ حصہ ہے جس کے بارے میں خود ربِ کریم نے فرمایا ہے حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ کا نور زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن کا قلب ایسی صلاحیت رکھتا ہے جہاں وہ سما جاتا ہے قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب صلاحیتیں رکھی ہیں۔ یہ وہ لطیف و شفاف چیز ہے جس کو حرام و ناپاک کھانا، زبان سے نکلنے والے ناپسندیدہ کلمات حتیٰ کہ برے افکار و نظریات بھی اسے بیمار کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ آئینہ نورِ ذات باری کو منعکس کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ اللہ اللہ کی ضربوں کے صیقل سے "اہل دل" اس میل کو دور کرتے ہیں۔ اور دل کی ہر دھڑکن پر اسم ذات کو اس طرح نقش کر دیتے ہیں۔ گویا ہر سانس کی آمد و شد میں اللہ کا نام شامل ہو جاتا ہے یہی چیز انسان کو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھتی ہے اور نیکی کا جذبہ بیدار کرتی ہے۔ اللہ کے یہ سپاہی اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً کے ذریعے خدا کی نیابت و خلافت کے اہل بنتے چلے جاتے ہیں۔

بیعت شیخ اپنے غیر محسوس اثرات رکھتی ہے عقیدت و محبت کی وجہ سے قلب مرید اسی بینڈ اور فریکونسی پہ ٹیون ہو جاتا ہے جس پہ قلب شیخ۔ شیخ کی اللہ اللہ کی ضرب مرید کے قلب پہ اثر کرتی ہے۔ بعینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اطاعت و محبت سے قلوب نبوت کے "بینڈ پہ ٹیون" ہو جاتے ہیں اور انوارات نبوت سے مستفیض ہوتے ہیں۔ یہی حال اسلامی عقائد کا ہے۔ قلب میں صلاحیت ہو تو ان افکار و نظریات کی وجہ سے تجلیات باری سے ضرور مستفیض ہوتا ہے۔ انبیاء کرام اور بعد میں ان کے نائبین اس طرح مخلوق کے ٹوٹے ہوئے تعلق کو خالق سے جوڑتے

رہے ہیں۔ صرف شرط قلب کا سلیم ہونا ہے۔ ورنہ کعبۃ اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کے باوجود کفار اور منافقین کے قلوب پر اس لیے کوئی اثر نہ ہو سکا کہ ان کے دل یا تو کسی اور فریکونسی پر بیٹون تھے یا تو پھر بالکل OFF اور فیوز تھے۔

قلب انسانی ریسیور اور ٹرانسمٹر یعنی اثر پذیری اور اثر اندازی دونوں خصوصیات رکھتا ہے جتنی نورانیت قلب میں زیادہ ہو گی اسی قدر اس کے اثرات کی ٹرانسمشن وسیع ہو گی خدا کے فضل و کرم سے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ کے قلب سے نکلنے والے اثرات بین البراعظمی بن گئے ہیں۔ اس سے منسلک کوئی طالب قطبین پر بھی اگر اللہ اللہ کر رہا ہو تو اس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ شیخ کی توجہ شیطانی اثرات کو ختم کرنے میں راکٹ اور میزائل کے حملے کا سا اثر رکھتی ہے البتہ غلط افکار و نظریات کے حامل متعصب لوگوں کے دل منفی اثرات کی ٹرانسمشن کرتے رہتے ہیں۔

حزب الشیطان کے مقابل رب ذوالجلال نے حزب اللہ کو نہ تو بے سروسامان چھوڑ دیا اور نہ اس حالت میں کہ اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو۔ مشکلات اور پریشانیاں دنیا کی امتحان گاہ کے پرچے ہیں۔ اعلیٰ درجات کی عطا کے لیے یہ پرچے زیادہ مشکل محنت طلب اور صبر آزما ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کے دل ہر حال میں صابر و شاکر اور مطمئن رہتے ہیں۔ محلات میں رہ کر دنیا کی تمام آسائشوں کے ہوتے ہوتے بھی اکثر و بیشتر لوگ مضطرب اور پریشان ہی رہتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کے دل اللہ کے نام سے دھڑکتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا حادثہ بھی ان کو پریشان کر کے راہ حق سے ہٹا نہیں سکتا۔

ذکر کی محفلیں جنت کے باغات ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والوں کے بدن تو وقتی طور مشکلات میں پڑ سکتے ہیں لیکن ان کے قلوب و ارواح تو جنت کے سکون سے مسرور ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر ان کا قلعہ ہوتا ہے مصائب کی طغیانیوں میں اللہ کا ذکر کشتی نوح علیہ السلام ہے اللہ والے اس کے ملاح۔ تمام مسلمان کو خود رب رحیم نے حفاظت کا یہی طریقہ بتایا ہے۔

فرمایا: "اے اہل ایمان تقویٰ اختیار کرو۔ اور صادقین کے دامن مضبوطی سے تھام لو"۔

ان خوش نصیبوں کی تلاش میں فرشتے آسمانوں سے آتے ہیں اور ان کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور مشکلات میں ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ کی معیت ان کو نصیب ہوتی ہے۔

دنیا میں جب بھی کسی کو کسی اعلیٰ کارکردگی پر انعام ملے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی قابل ذکر ہستی کے ساتھ اس کا فوٹو آجائے چند لمحات کی اس محفل و معیت کو پھر وہ فریم میں محفوظ کرتا ہے اور سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے اور ہر کسی کو فخر سے دکھاتا رہتا ہے بھلا ان سے بڑھ کر زیادہ کون خوش نصیب ہو گا جسے باری تعالیٰ کی معیت نصیب ہو۔ اور دربار نبوی میں حضور کی رفاقت۔

عبادت، دعا، تلاوت اور ذکر و فکر میں قلب کی شمولیت ضروری ہے۔ قلب زندہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔

آج نمازیں پڑھی جاتی ہیں لیکن دل ہیں کہ حاضر ہی نہیں۔

دل نور سے خالی رہتے ہیں
آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں

دل دنیا کے دھندوں میں اور بدن خدا کے حضور۔ نماز کے الفاظ ذہنوں میں ٹیپ شدہ ہوتے ہیں اور بدن آٹومیٹک حرکات کر جاتا ہے۔

سلام پھیریں تو پھر ہوش آجاتا ہے کہ نماز ختم شد۔

دنیا کی یہ مدہوشی نماز میں ہی ختم نہیں ہوتی اس کا علاج اہل دل سے ہی کر سکتے ہیں۔ جو زندگی بھر خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں رہتے ہیں نبوت کا باطنی حصہ سکون و اطمینان تنخواہ کی صورت میں وصول کرتے ہیں۔

ان کی قبریں بھی ذکر کے اثرات سے منور ہوتی ہیں اور برزخ کی زندگی ان کی پنشن کا حصہ ہے۔ اور قیامت ان کے لیے وہ خصوصی تواضع کا دن ہے جہاں انہیں رضائے الٰہی کے تمغے اور جنت کے محلات عطا کیے جائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں موت سے قبل ہی فرشتے لاتخافوا ولا تحزنوا کا مژدہ سناتے ہیں۔ یعنی نہ تم (ماضی) پر غمگین ہو اور نہ مستقبل کے لیے فکر مند۔ تمہاری مزدوری اللہ تعالیٰ خود عطا کریں گے۔

دعا ہے کہ اے رب العزت ہمیں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل فرمائے جن پر اس کے انعام و اکرام اور فضل کی بارش ہوتی رہی ہے۔ (آمین)

سوال آپ کا

جواب شیخ المکرّم کا

سوال :۔ ربط شیخ سے کیا مراد ہے؟

جواب :۔ جہاں تک ربط شیخ کا تعلق ہے تو بڑی سیدھی سی بات ہے شیخ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو یہ رابطہ عطا کرتا ہے۔ آپ کے دل میں جتنا شیخ کے ساتھ خلوص ہے اللہ کریم شیخ کے دل سے اتنے انوارات آپ کے دل میں بغیر آپ کو بتائے انڈیل دے گا۔ اور یہ ربط از خود قائم رہے گا۔ آپ اپنی طرف سے صرف سچی اور کھری طلب اور خلوص پیش کر سکتے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اب اس کو جانچنا کہ یہ خلوص کس پائے کا ہے کس درجے کا ہے۔ اس کی سمجھ شیخ کو بھی نہیں ہوتی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے میں چاہتا ہوں اس شخص کو مراقبات ہو جائیں لیے سالوں تک نہیں ہوتے اور مجھے پتہ ہی نہیں ہوتا یہ کون ہے پاس آکر بیٹھتا ہے تو اسے مراقبات ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس سے میری ذاتی واقفیت نہیں ہوتی۔ ایک دم آدمی طالب کی حیثیت سے آیا اور چند دن رہا اور اسے کتنے مراقبات نصیب ہو گئے۔ اور ایک شخص برسوں سے میں چاہتا ہوں میرے ساتھ اس کے ذاتی مراسم ہیں اور فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں اسے ہو جائیں اسے نہیں ہوتے۔

اور فرمایا کرتے تھے عجیب بات ہے یہ اللہ کا کام ہے۔ دلوں کے حال وہ جانتا ہے۔ کس کے دل کی کیفیت کیسی ہے۔ کتنی دیر میں وہ کیا کچھ لوٹ لیتا ہے یہ اس کا کام ہے۔ شیخ کو کیا خبر۔

شیخ چونکہ ایک ذریعہ ہے اس کے دل میں وہ نعمت موجود ہے اور آپ کے دل کو اس کے دل سے حاصل کرنی ہے آپ کی طلب جتنے خلوص سے پیدا ہو گی اتنے خلوص سے وہ متوجہ ہو گا۔ نعمت دینے والا اللہ خود دیکھ رہا ہے اتنی اس تک پہنچا دیتا ہے۔

سوال :۔ مجذوب کیا ہوتا ہے؟

جواب :۔ یہ جو جذب ہوتا ہے نا مجذوب اسے کہتے ہیں جس پر جذب ہو۔ جذب ایک کیفیت کا نام ہے۔ جس میں ہوش سلامت نہیں رہتے۔ بعض مزاج طبعاً تخلیقی طور پر ایسے کمزور ہوتے ہیں کہ وہ تجلیات باری کی اس تپش کو برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر بعض لوگ طبعاً تو مضبوط ہوتے ہیں لیکن شیخ میں اتنی اہلیت

نہیں ہوتی کہ وہ انہیں آگے چلائے اسے لطائف کرائے یا مراقبہ احدیت معیت اقربیت یا کوئی ایک مراقبہ کرایا اور اس پہ چھوڑ دیا آدمی محنتی تھا محنت کرتا رہا کرتا رہا اسی ایک مقام پہ کھڑا رہا تو یہ دو صورتیں جو ہوتی ہیں یہ ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی کو پاگل کر دیتی ہیں۔ اس کے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ جب حواس مختل ہو جائیں اور ہوش نہ رہے تو آدمی مکلف ہی شریعت کا نہیں رہتا۔ اس نے کرنا ہی کیا ہے اسے ہوش ہی نہیں ہے تو اسے تمیز ہی نہیں رہتی وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تو مکلف ہی نہیں رہتا اسے کہتے ہیں مجذوب۔

اور مجذوب کو جب اپنا ہوش ہی نہیں ہوتا تو وہ کسی دوسرے کو کیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسے نہ لباس کا ہوش ہے نہ کھانے کا نہ فرض کا نہ سنت کا نہ واجب کا۔ شرعاً صرف یہ ہے کہ آپ اس پر گرفت نہ کریں اسے اللہ کے سپرد کر دیں خواہ مخواہ اس پہ شور نہ کریں۔ جب اسے ہوش ہی نہیں ہے تو آپ اسے کیا کریں گے۔

اگر یہ جذب کمال ہوتا تو مجذوب نبی ہوا کرتے لیکن کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا۔ اگر کمال ہوتا تو انسان کے پاس ہوتا یہ نقص ہے کمزوری کی دلیل ہے لیکن انبیاء کے بعد ہر شخص پہ کوئی نہ کوئی لمحہ آجاتا ہے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جنہیں بالخصوص اس راستے میں آپ دیکھیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثالی انسان ہیں۔ پوری امت محمدیہ میں واحد آدمی ہیں جو حضورؐ نے مانگ کر لیا خدایا یہ بندہ مجھے دیدے کیسا عجیب ہے۔ پوری امت محمدیہ میں آپکی یہ انفرادی خصوصیت ہے کہ حضورؐ نے اللہ سے مانگا۔ لیکن حضورؐ کے وصال کے وقت ایک لمحہ جذب کا ان پہ بھی آگیا تو انہوں نے بھی تلوار سونت لی کہ جس نے کہا حضورؐ کا انتقال ہو گیا سر اڑا دوں گا۔ یہ جذب کی حالت تھی نا۔

صرف ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایسے شخص تھے پوری امت میں جنہیں وصال نبوی کا حادثہ برداشت کرنے کی قوت ملی اور ان پہ جذب نہیں آیا۔ فرمایا جو اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ دیکھیں اللہ موجود ہے۔ اور جو حضورؐ کی عبادت کرتے تھے وہ سمجھیں کہ حضورؐ دنیا سے وصال فرما گئے ہیں اور پھر وہ آیت کریمہ آپ نے تلاوت فرمائی:۔

أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ:۔

تو صحابہ فرماتے ہیں ایسے ہوش آیا اور ہم یوں سمجھے جیسے آیت اب اتری ہے ہم نے پہلے پڑھی نہ ہو۔ اس طرح حواس مختل ہوئے تو یہ لمحاتی یا وقتی جذب تھا۔ چند لمحوں کے لیے جذب کہا جائیگا اس سے تو بچنا محال ہے۔ ہر شخص پہ کوئی نہ کوئی لمحہ آجاتا ہے۔ لیکن مستقل مجذوب ہو جانا یہ حواس معطل ہو جاتے ہیں پھر وہ مکلف ہی نہیں رہتا۔ آپ اسے مواخذہ کہیں گے۔

اور جو لوگ اللہ اللہ سیکھتے ہی نہیں ہیں اور مجذوب بن جاتے ہیں وہ ویسے پاگل ہوتے ہیں انہیں مجذوب کہنا زیادتی ہے۔ یعنی اللہ اللہ سیکھتا ہو اگر آدمی پہ جذب آجائے تو وہ مجذوب ہو گیا۔ اگر پیدائشی اس کے آلات ہی درست نہ ہوں تو وہ پاگل ہے مجذوب تو نہیں۔

سوال:۔ کیا میت والے گھر سے کھانا کھانا شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ ہماری جو عبادات ہیں ایسے قاعدے ہیں، فرائض، سنن واجبات یا بچے کی پیدائش پہ یا شادی پہ یا لوگوں سے لین دین پہ جنازے پہ موت پہ ہم کام ہیں کچھ نہ کچھ تو کرتے ہیں۔ اب اس میں بعض طریقے تو ایسے ہیں جو معتبر ہیں مسنون ہیں جن کے متعلق حضورؐ نے حکم دیا بعض ایسے ہیں کہ جو ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا تو برادری میں نکٹی ہوگی۔ مثلاً گھر میں میت ہو جائے اور بڑے دھڑلے سے دعوت کرتے ہیں اپنے اس اظہار شہرت کے لیے کہ ہم نے اتنے کھانے پکائے اور اتنے دن لنگر جاری رہا تو شرعاً تو اس گھر سے کھانا ممنوع ہے۔

میرے چچا فوت ہو گئے اور ہمارے گھر بڑی دعوت تھی۔ میں وہاں تھا قبرستان پہ اور وہاں جنازہ پڑھایا لوگ فارغ تھے میں نے کہا۔ یار بیٹھو جتنی دیر میں دفن ہوں گے اتنی دیر میں تمہیں کوئی بات سناتا ہوں۔ گپیں نہیں لگاؤ تو ایک رشتہ کے چچا ہیں میرے وہ آئے مجھے بتانے۔ چپکے سے انہوں نے بتایا کہ ہم قبر سے فارغ ہو گئے آپ ذرا یہ اعلان بھی کر دیں یہ سارے حضرات جو بیٹھے ہیں یہ کھانا کھا کر جائیں میں نے کہا بھئی قبر سے فارغ ہو چکے ہیں دعا کرتے ہیں ایک بات تو یہ ہو گئی دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے گھر والوں نے کھانا تیار کر لیا ہے اور آپ

سب کے لیے اس کا کھانا حرام ہے کھا کر جائیے گا کہہ رہے ہیں۔ میت کے گھر سے کھانا تو حرام ہے میں مسئلہ تمہیں بتا دوں۔ اور دعوت پہ دے رہے ہیں پکا ہوا ہے آپ جانتے اور یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے نا جو طریقہ ہے سنت کا وہ موجود ہے آپ اگر کوئی اسے چھوڑنا چاہتا ہے تو وہ خود چھوڑ دے یعنی آپ کسی سے لڑ نہیں سکتے۔ کسی کی ناک نہیں توڑ سکتے لیکن اپنے آپ کو تو اس پہ قائم رکھ سکتے ہیں۔ تو اسطرح کی بیشمار رسومات ہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ یہ لاؤڈ سپیکر نہیں تھا تو مسجد دن میں کب شور ہوتا تھا۔ تو جب سے لاؤڈ سپیکر آیا درود پڑھنے کے پندرہ انداز جاری ہو گئے۔ کہاں جانتے ہیں یہ کہاں ہوتا تھا یہ تو جب نہیں ہوتا تھا تو آپ بیٹھ کر سکون سے کیوں نہیں پڑھتے ہاں اگر کوئی نہیں رہتا تو اس کے ساتھ پتھر مارنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اللہ جانے وہ جانے۔ بتانے کی حد تک درست ہے۔ حکماً روکنا یہ حکومت کا فرض ہے۔ میرا اور آپ کا نہیں کہ ہم لٹھ لے کر دوڑ پڑیں کہ سب چھوڑ دیں۔ یہ کریں اسی طرح جتنے یہ کام ہیں۔ ان میں آدمی کوشش کرے تو مسنون طریقہ مل سکتا ہے کتابوں سے بھی علماء سے بھی پوچھ سکتا ہے اور چاہیئے کہ وہ طریقہ اختیار کرے۔

سوال :۔ ہر نعمت کے بعد ہم الحمد اللہ کہہ کر شکر کرتے ہیں شکر کا شرعاً مفہوم کیا ہے ؟

جواب :۔ شکر کی اصل ہے اطاعت۔ علماء کے نزدیک شکر کی اصل اطاعت ہے۔ اگر ہم اطاعت نہیں کرتے تو مال کسی کا چھین لیتے ہیں اور الحمد اللہ کہتے ہیں تو وہ شکر تو نہیں ہو گا۔ جیسے طریقہ ہے یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے ایک آدمی دکان پہ بیٹھتا ہے۔ سارا دن وہ لوگوں سے دھوکا کرتا ہے شام کو گٹھڑی روپیہ کی باندھ کر وہ کہتا ہے اللہ کا شکر ہے بڑی دولت ملی تو یہ شکر کرنے کا طریقہ تو نہیں ہے یعنی بنیاد شکر کی اطاعت ہے اگر زبان سے نہ بھی کہے ہمیں اپنے کاموں میں یہ فکر ہو کہ ایسا طریقہ کروں جس سے اللہ مجھ سے راضی ہو تو یہ شکر ہے اور اگر ہم زندگی سے اطاعت کو خارج کر دیں اور زبان سے یہ کہتے رہیں تو ہاں اطاعت بھی کریں اور ساتھ زبان سے بھی کہیں تو نور علیٰ نور ہے تو کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آدمی عملی زندگی میں اطاعت کرے۔ آپ دیکھیں نا لوگ رشوت کا پیسہ جمع کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ اللہ کا انعام ہے۔ اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے ہم دھوکے سے کسی کی زمین لے لیتے ہیں۔ مقدمہ کر کے ہتھیا لیتے ہیں کسی کو ناجائز قتل کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اللہ کا شکر ہے خدا نے مجھے مقدمے سے بچا لیا۔ اور دشمن بھی میں نے مار لیا۔ یہ نہیں سوچتے کہ وہ شخص واجب القتل ہے بھی یا نہیں یا مجھے قتل کرنے کی شرعاً اجازت تھی بھی یا نہیں کہاں تک جانے کا مجھے حق حاصل ہے، کہاں تک اسے زندہ رہنے کا حق حاصل تھا۔ اسے سوچے بغیر۔ اس طرح عمل زندگی میں چھوٹی چھوٹی چیزیں آپ لے لیں روزمرہ کے کام ہم دفتر جاتے ہیں اور کام نہیں کرتے اور مہینے کے بعد تنخواہ لیتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ کا شکر ہے کسی نے مجھے پکڑا نہیں کسی کو پتہ نہیں چلا کہ کسی نے کام ہی نہیں کیا۔

یعنی ہماری زندگی میں شکر کا یہ انداز جو آ گیا ہے نا یہ صحیح نہیں شکر کے لیے بنیاد اطاعت ہے کوشش کرے کہ اتباع شریعت کے مطابق کرے اور زبان سے بھی اللہ کا شکر ادا کرتا رہے رکھانا کھانے پہ پینے پہ۔

سوال :۔ ذکر کرانے کا طریقہ کیا ہے ؟

جواب :۔ کرانے والا جو ساتھی ہے جو صاحب مجاز ہے یا وہ عام ساتھی بھی جہاں کوئی صاحب مجاز نہیں ہے کوئی بڑا ساتھی دوسروں کو ذکر کرا دیتا ہے یا گھر والوں کے لیے ہر ساتھی صاحب مجاز ہے خواتین کے لیے بچوں کے لیے گھر میں کرا سکتا ہے تو ذکر کرانے والے کو یہ چاہیئے کہ جو لطیفہ کروانا چاہتا ہے وہ کلمات تعوذ تسمیہ پڑھنے کے بعد پہلے اپنے اس لطیفے کا رابطہ اس کے اصل سے کرے مثلاً پہلا لطیفہ آپ دوسرے کو کرانا چاہتے ہیں پہلے آسمان اوّل سے اپنے لطیفے کا رابطہ قائم کریں۔ ہو گیا۔ اب آپ دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہ قوت اب میں اس کے لطیفے پہ القاء کر دوں تو وہ جتنے پانچ دس ہزار لوگ بیٹھے ہوں گے وہ وہاں تک منقسم ہوتی چلی جائے گی۔ اس طرح سے ان کو فائدہ ہو گا اور اگر آپ یہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے تو پھر انہیں ضمناً فائدہ تو پہنچتا رہے گا لیکن جو پہنچنا چاہیئے وہ نہیں ہو گا۔ اس طرح جب آپ دوسرا لطیفہ کروانا چاہتے ہیں تو پہلے جنہیں آپ ذکر کروا رہے ہیں تو وہ پہلا لطیفہ کر رہے ہیں۔ تو کروانے والا اپنے لطیفے کا

رابطہ دوسرے آسمان سے کرلے۔ ایک دو چار سانس لے لے دو چار دفعہ اللہ اللہ کہہ لے پھر انہیں کہے کہ آجاؤ دوسرے لطیفے پہ اور پھر اس کے انوارات کے لطیفے پہ القا کرے تو اس طرح وہ ہر لطیفے کو چلاتا جائے۔ میرے خیال میں میں نے کئی دفعہ بتایا تو ہے چلو ایک بار پھر سہی۔

ایک بنیادی بات میں آپ کو سناؤں اس میں بڑی غلطی لگتی ہے اور اکثر بڑے ساتھی غلطی کرتے ہیں ذکر جہر یا ذکر لسانی جن سلاسل میں ہے اس میں جو اللہ ہو کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کو دل سے کھینچ کر اس کندھے پہ لائے اور ہو کی ضرب اس پہ۔ اللہ ہو یا الا اللہ اس طرح کرتے ہیں۔ تو میں نے دیکھا ہے کہ اکثر ساتھی جب لوگوں کو ذکر بتاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب سانس کھینچو تو اندر سے اللہ کو کھینچو اور ہو کی ضرب لگاؤ۔ ایسا نہیں ہے ہمارا طریقہ ذکر یہ ہے کہ جب سانس اندر جاتا ہے تو لفظ اللہ اس کے ساتھ دل کی گہرائی تک اندر جاتا ہوا محسوس کرو۔ تو ہمارے اس طریقہ ذکر میں یہ ہے کہ جب آپ سانس لیتے ہیں تو اس میں لفظ اللہ کو اندر دل کی گہرائی تک اترتا ہوا محسوس کریں اور جب سانس چھوڑیں تو اسی سانس کے ساتھ اندر سے ہو خارج ہو۔ اور اس کی چوٹ لطیفے پہ پڑے اسی طرح آپ دوسرے لطیفے پہ جاتے ہیں تو لفظ اللہ کو سانس کے ساتھ اس لطیفے تک اترتا دیکھیں اور جب چھوڑیں تو ہو کی ضرب لطیفہ پہ لگے اسی طرح سے تیسرے چوتھے ساتویں لطیفے پہ جاتے ہیں۔ حضرت جیؒ ہمیں یہ سکھایا کرتے تھے کہ جب ساتویں لطیفے پہ اندر سانس جب لیتے ہیں تو آپ یہ سمجھیں کہ لفظ اللہ چوٹی سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک رگ رگ میں دھنس گیا ہے اور جب آپ ہو کہیں پھر پورا بدن ایک شعلہ بن جائے ہر مسام سے پھر وہ شعلہ نکلے اس لیے سلطان الاذکار کہتے ہیں کہ تمام ذرات جسم جو ہیں وہ ذاکر ہوتے ہیں تو یہ حضرات جو ذکر کرواتے ہیں یا ذکر کا طریقہ بتاتے ہیں یہ بڑی احتیاط سے نوٹ کرلیں کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جب سانس اندر کھینچیں تو لفظ اللہ دل کی گہرائی تک اندر اترتا ہوا جائے جب سانس چھوڑیں تو ہو خارج ہو اور ہو کی چوٹ لطیفے پہ لگے۔

سوال:۔ مورخ واقدی نخلہ کو جنگ بدر کے اسباب میں بیان کرتے ہیں؟

جواب:۔ بدر کے اسباب جو میں نے عرض کئے ہیں یہ مستند ہیں۔ سبب بدر کا صرف یہ تھا کہ وہ جو تجارتی قافلہ ویسے تو اہل مکہ کی عام معیشت ہی یہی تھی تاکہ لوگوں نے مل کر سرمایہ لگایا ایک تجارتی قافلہ ترتیب دیا اپنے حصے مقرر ہو گئے لیکن یہ قافلہ جو تھا یہ واحد ایسا قافلہ تھا جس میں اہل مکہ میں سے کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس نے سرمایہ نہ لگایا ہو۔ اور اس سرمائے کو خلاف اسلام فوج کی تیاری پہ منافع خرچ ہونا تھا۔

سوال:۔ عبادت اور عادت میں کیا فرق ہے۔ نمبر ۱۔ مراقبہ میں میرے دل میں خیال آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہیں میں چاہتا تھا کہ مصافحہ کرلوں لیکن آپ کے خلیفہ نے دعا مانگنی شروع کردی۔ میرا یہ خیال کہاں تک درست ہے؟

جواب:۔ عبادت بھی صرف ایک ثبوت رکھتی ہے اور وہ ثبوت ہے کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ کرنے کا حکم دیا یا کسی نے آپ کے سامنے کیا تو آپ نے پسند فرمایا۔ یہ تینوں باتوں کو سنت کہا جاتا ہے۔ فرض کی حیثیت بھی یہ ہے کہ حضورؐ نے اس کی خبر دی کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اور آپ پہ فرض ہے وہ فرض ہو گیا۔ اور حضورؐ کی ذات ایسی ہے کہ جو فرائض ہیں ان میں آپ نے اپنے آپ کو الگ نہیں کیا بلکہ اُمت کی نسبت زیادہ بوجھ جو ہے وہ اپنی ذات گرامی پہ رکھا اس کے بعد جو امور سنت ہیں جنہیں سنت مؤکدہ آپ کہتے ہیں سنت باعتبار عقیدہ کے سنت ہوتی ہے اور اس پہ عمل کرنا فرض ہوتا ہے۔ یعنی اس حد تک عبادت ہوتی کہ وہ باعتبار عقیدے کے تو سنت ہے لیکن اس پہ عمل کرنا فرض ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے حضورؐ کی اطاعت کا حکم واضح دیا اطیعوا اللہ واطیعو الرسول اور جو حکم نص قرآن سے ثابت ہو وہ فرض ہوتا ہے۔

اب اس سے آگے ہے عبادت، عادت محمد رسول اللہ میری آپ کی عادت کی کوئی حیثیت نہیں وہ عادت جو عادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جو نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت ہے نہ حضورؐ نے ویسا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اگر کوئی اس عادت کو بھی اپنالے تو نورٌ علی نور ہو جاتا ہے یعنی اور جو عبادی ہیں سنن عبادی جو ہیں ان پر عمل تو فرض ہے وہ

ہیں سنت لیکن عمل فرض ہے جو امور عادیہ ہیں ان پر عمل کرنا
ضروری نہیں لیکن عمل کرے تو نور علیٰ نور ہے

ایک طرف ان کی خلافت علیٰ منہاج النبوت شیخین کی خلافت
ابو بکر صدیقؓ کی اور فاروق اعظمؓ کی یہ جمہور کے نزدیک اس
معیار پر ہے جس معیار پہ نبوت نے لوگوں کو فیض پہنچایا۔ یہ
خلافت لیکن اسے کہتے ہیں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔ خلافت
اس معیار پہ اس راستے پہ جس پہ ابر کرم عہد نبوی میں برستا تھا
اس لیے اس کی دلیل ہے قرآن میں کہ نبوت کا بہت بڑا فیض
تھا۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ۔ کہ جو کلمہ پڑھتا ہے اس کی
دوسرے مسلمان کے لیے اس کے ساتھ الفت کا رشتہ بن جاتا
تھا۔ عہد صدیقیؓ میں یہ الفت قائم رہی۔ عہد فاروقیؓ میں یہ الفت
قائم رہی۔ شہادت فاروقیؓ وہ پہلا حادثہ تھا جہاں سے اختلافات
کی بنیاد اٹھی۔ تو اس سے پہلے جو عرصہ شیخین کا ہے وہ علیٰ منہاج
النبوۃ ہے۔ اس پائے کا انسان سیاست میں دنیا میں اس زمانے
کے بڑے بڑے سیاستدانوں کو آپ نے شکست دی، میدان
جنگ میں اس زمانے کے بڑے بڑے جرنیلوں کو نیچا دکھایا
لیکن یہاں پہنچ کر یہ حال ہو گیا تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا کہ آپ
نے کرتا پہنا تو اس کا بازو لمبا تھا۔ تو بیٹے سے فرمایا یار چھری
لے آؤ تو وہ چھری لائے کہ ضرورت ہو گی تو اس طرح کر کے
بازو نکال کر پیچھے سے اسے پکڑا کہ یہاں درمیان سے کاٹ دو
اس نے کہا کہ ابو چھری سے تو ٹیڑھا میڑا کٹے گا تو قینچی اٹھا کے
نہ لاؤں۔ نہیں فرمایا کاٹ دو۔ حضورؐ کے کرتے کا بازو لمبا تھا تو
آپ نے ایک دفعہ چھری سے کاٹا تھا۔ یعنی اختیاری نہیں ہے
یہ تصنع نہیں ہے اس میں کرتے کا بازو ٹیڑھا ہے یا سیدھا
رہے کاٹو تو چھری سے کہ حضورؐ نے کاٹا۔ اب چھری سے کاٹنا
سنت تو نہیں ہے نہ کاٹے تو بھی منع نہیں، لمبائی رکھیں چھوٹا
کر دیں کوئی ایسے امور عادیہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن انہیں
طبعاً اور مزاجاً حضورؐ کی ذات میں اتنی فنا حاصل ہو گئی تھی۔
کہ جب دعا کرتے تھے کہ تو کرتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي
شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ فِي بَلَدِ حَبِيْبِكَ : یا اللہ مجھے اپنے
راستے میں شہید کر دے اور اپنے نبی کے شہر میں کر دے
تو صحابہؓ کہتے تھے امیر المومنینؓ آپ کے خادم چین اور سپانیہ

تک سائبیریا سے افریقہ تک کفر کی طاقتوں کو شکست دے
رہے ہیں آپ کہتے ہیں یا اللہ مجھے یہاں مدینہ منورہ میں شہید کر۔
آپ کیسی باتیں کرتے ہیں اس میں عقل کا کوئی تعلق نہیں۔ اس
کا کوئی سبب نہیں آپ کیا بات کرتے ہیں۔ آپ کہتے یار جی
چاہتا ہے میں کیا کروں۔ مجھے خود سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیسے ممکن
ہو گا۔ لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ نبیؐ کا شہر ہو اور وہاں میرے
وجود کے ٹکڑے ہو جائیں میرا خون بہے میں کٹ جاؤں تو ان
کے لیے رب کریم نے نہ صرف نبیؐ کے شہر میں بلکہ نبیؐ کے اسی
حجرے میں جہاں خود حضورؐ دس برس نمازیں پڑھاتے رہے وہاں
شہادت کا اہتمام کر دیا۔

اب یہ عادت یہ فنا ہونا یہ ایک کمال ہے اللہ کی طرف
سے عطا ہوتا ہے یہ کسی تکلف سے نہیں ہوتا۔ مزاج ایسا بن
جاتا ہے ایک درجے پہ جا کر مزاج بن جاتا ہے کہ آدمی کی عادت
جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں فرق نہیں کرتا
بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح سے کرنے لگتا ہے۔
خواہ وہ کتنا مدبر ہو سیاستدان ہو۔ پڑھا لکھا ہو وہاں پہنچ کر
اس جیسا ہو جاتا ہے۔

اب رہا آپ کا دوسرا سوال تو کیونکہ بیشمار لوگوں کو
مراقبہ فنا فی الرسول کرایا جاتا ہے۔ تو جو ساتھی مستقیدی ہوں
ساتھ ذکر کر رہے ہوں انہیں بھی اس کی جھلک نظر آ جانا کوئی
بڑی بات نہیں ہے اور شیطان تو ان دنوں بفضل اللہ ہے
ہی قید رہا تو رمضان کے بعد ہی بدمعاشی کے لیے آئے گا۔
ابھی تک تو بندھا ہوا ہے اس کا فکر رمضان نہ کریں رمضان
میں جو خطائیں ہم کرتے ہیں یہ میں نے بھی عرض کیا تھا کہ اس کا
ہمیں نوٹس لینا چاہیئے کہ اتنی شیطنت خود ہمارے وجود میں
آ گئی ہے کیونکہ شیطان تو قید کر دیئے گئے رمضان المبارک
کا جب چاند طلوع ہوتا ہے تو چھوٹے بڑے تو حدیث
شریف میں چھوٹے بڑے کی تفصیل آئی ہے آپؐ نے فرمایا ہر
چھوٹا بڑا شیطان قید کر دیا جاتا ہے۔ ابلیس سے لے کر ہر وہ
چھوٹا بڑا شیطان جو اس کی ذریت میں اس کا کام کرتا ہے۔
پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جن اور انسان۔ شیاطین الجن والانس
انسانوں میں بھی لوگ شیطان بن جاتے ہیں۔ اور جنوں میں

بھی اور جو یہ ظلم رمضان میں ہوتے ہیں یا خطائیں تو یہ اندازہ نہیں کرنا چاہیے کہ آتنی اتنی شیطنت شیطانی باتیں خود ہمارے وجود میں آگئی ہیں جس سے ہمیں نجات گلو خلاصی ہو گی تو کرم ہو گا۔ تو انشاءاللہ بفضل اللہ یہ اللہ کا انعام ہے کہ یہاں کوئی شیطان کی مداخلت نہیں۔

کیونکہ آپ دیکھتے ہیں صبح شام بے شمار لوگ زیارت سے مستفید ہوتے ہیں تو جب سورج نکل رہا ہوتا ہے تو کبھی کبھی کم نظر والے کو بھی اس کی تمازت محسوس ہوتی ہے یہ کوئی عجیب بات تو نہیں ہو گی۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔

سوال :۔ جنات جو ساتھیوں کے گھروں میں گھس آتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں کبھی بچے کو تنگ کیا کبھی کچھ کیا اس کے بارے میں کچھ ایسی بات مرحمت فرمائیں جس کو ساتھی پڑھ لیں۔

جواب :۔ دو باتیں ہیں اس میں جسے آپ سمجھتے ہیں نا جنات تنگ کرتے ہیں یہ نرے جنات نہیں ہوتے شیاطین کا یہی ایک طریقہ واردات یہ ہے کہ سب سے پہلے شیطان انسان کے عقاید پر حملہ آور ہوتا ہے۔ جب اس کے عقاید میں شرک پایا جائے تو اسے کسی سے فائدہ ہوتا ہی نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ آدمی کے عقیدے میں شرک کی آمیزش کر دے پھر وہ کسی بڑے سے بڑے شیخ کے پاس کسی نبی کے دربار پر بھی بیٹھا رہے تو اسے فائدہ نہیں ہوتا۔ شرک مانع ہے۔ فیض کو قبول کرنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا۔ اگر آدمی عقاید میں اس سے گمراہ نہ ہوا اور وہ شرک میں مبتلا نہ ہو تو پھر وہ چاہتا ہے کہ کم از کم اعمال اس کے اچھے نہ ہوں کہ بدکردار جو ہوتا ہے وہ بھی فیوضات سے محروم رہتا ہے۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ عملی برائی میں اسے پھنسا دوں۔ اور عملی برائی بالآخر عقیدے کی تباہی پہ لے جاتی ہے۔ اسے مفضی الی الکفر کہتے ہیں یعنی رفتہ رفتہ کفر کی طرف لے کر جانیوالی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ایک مرض ہے جو موت کی طرف لے جائے گا۔ اگر کوئی وہاں سے بھی بچ جائے تو اس کا سبب اس کا کسی نہ کسی شخص کے ساتھ اس کی نسبت کا سبب ہوتا ہے۔

چونکہ حضورؐ کے ساتھ براہ راست تعلق تو صحابہ کا تھا تابعین کو صحابہ سے تعلق تھا اور صحابہ کو حضورؐ سے۔ اس طرح ان تک نسبت پہنچی۔ تابعین کو تابعین سے تبع تابعین کو صحابہ سے صحابہ کو حضورؐ سے۔ وہاں سے یہاں تک کسی نہ کسی فرد کے طفیل یہ برکات پہنچیں اسی کو شیخ کہا جاتا ہے سب سے زیادہ محنت شیطان اس بات پر کرتا ہے کہ اس شخص کو شیخ سے بدظن کر دے۔ اگر مختلف قسم کے اوہام تہمتیں شیخ پر لگا کر ان سے اسے بدظن کر دوں۔ تو وہ سیکورٹی یا تحفظ جو اسے اس نسبت سے حاصل ہے۔ اس سے یہ محروم ہو جائے تو پھر اسے میں عمل میں بھی پکڑ لوں گا۔ عقیدہ سے خرابی گھسیٹ لوں گا۔ اگر اللہ مہربانی کرے۔ آدمی اس سے بھی بچ جائے تو پھر حضرت فرمایا کرتے تھے پھر کتے کی طرح بھونکتا ہے۔ کبھی کسی بچے کو ڈرا دے کہ گرا دیا کبھی پڑوسی جو کہنا ماننا چاہتے کہہ دیا کہ اسے گالیاں دیدو۔ کبھی اس کے کسی رشتہ دار کو جھگڑا کا دیا کبھی حکومت اگر ملازم ہے کہیں تو افسر اگر شیطان کا دوست ہے تو اس کے ذہن میں کھلبلی پیدا کر دی کہ یار اسے ڈانٹ پلانی ہے تو اسطرح کی۔

ایک واقعہ ہوا کہ حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں اسطرح بھیڑ ہوتی تھی، مناظرے ہوتے تھے باطل قوتوں کے خلاف تقریریں جلسے تقسیم ملک کے بعد تو سفر تو جب سوتے تو کمرے میں اگر سوتے تو کبھی پتہ چلتا کہ گھوڑا دوڑ رہا ہے چھت پر تو چھت پر گھوڑوں کا کیا دوڑنا شیطان ہوتا تھا کہ نیند خراب کر دوں چلو کل اور نہیں تو تھوڑا کام کریں۔ کبھی چارپائی کے نیچے جیسے کتا ہڈیاں چباتا ہے اس طرح کی آواز کبھی صحن میں کسی کے رونے کی آواز جگا دیا۔ نیند کھل گئی تو کچھ بھی نہیں۔

تو ایک دفعہ ہم کچھ ساتھی تھے تو حضرت نے فرمایا۔ کہ یار غوث بہاؤ الدین رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کرتے ہیں کہ اس کا کوئی اہتمام ہونا چاہیئے۔ اس نے بڑا تنگ کیا ہے۔ تو مجھے بڑی اچھی طرح یاد ہے حضرت کی عادت تھی ساتھیوں سے فرمایا کرتے یار مراقبہ کرو فلاں بزرگ کی خدمت میں میرا بھی سلام پیش کرو۔ یہ درخواست بھی پیش کرو یہ حضرت کی عادت شریف بھی جو ساری عمر ایسا کیا۔ ان ساتھیوں سے یار غوث صاحب سے میرا سلام بھی عرض کرو اور ان سے عرض کرو یہ بڑا تنگ کرتا ہے میں بڑا پریشان ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ جب میرا زمانہ تھا تو میری یہ عادت تھی میں کسی کے ہاتھ کا پیسا ہوا آٹا نہیں کھاتا تھا۔

اس میں بھی ہاتھ کی نحوست کی آمیزش آجاتی ہے۔ میں کچھ غلہ لیکر
خود اندر بیٹھ کر چکی پیستا تھا اور ایک برتن آٹے کا بھر لیتا تھا اس
میں سے اپنے لیے ایک روٹی صبح ایک روٹی شام پکوا لیتا تھا تو یہ
جنات کئی دفعہ ایسا کرتا تھا کہ میں سارا دن چکی پیستا یا ساری رات
لگا کر منٹ کا آٹے کا بھرتا تو میں سو جاتا اٹھتا تو اس میں سے آٹا
بے ایمان لے جاتا اس میں مٹی بھر جاتا۔ میں بڑا پریشان ہوتا تھا کہ
یار اب میں پھر اتنی چکی پیسوں گا۔ تو خود میرے ساتھ تو یہ کرتا تھا
آپ کے لیے اب میں اسے کیا کہوں۔ انہوں نے جب یہ اپنی
بات بتائی کہ مجھے بھی یہ اسی طرح تنگ کرتا تھا تو آپ کے لیے
میرے کہنے سے یہ کیسے رک جائے گا یہ تو اسی طرح کرے گا۔
یعنی پھر یہ کبھی بچے کو رلا دیا کبھی برتن ہلا دیا کبھی کوئی چیز
یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دی تو یہ جن نہیں کرتے یہ شیطان کرتا
ہے یہ تو کوئی بات نہیں یہ تو
ایسا تو ہوتا ہے محبت
میں یا جنگ میں تو ایسی باتیں ہوتی ہیں ایسا تو کوئی بات نہیں۔
یعنی اللہ اس کو ہمارے عقائد پہ دسترس نہ دے ہماری

عقیدت پہ اسکی رسائی نہ ہو تو اللہ ہمارے اعمال کو اس کی
پہنچ سے باہر رکھے تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کھانے میں نمک مرچ
نہ ہو تو کوئی مزا نہیں رہتا پھر تو زندگی بے مزا ہو جاتی ہے اسے رہنا
چاہیئے آخر آپ خود کھاتے ہیں کبھی تو مرچیں ڈالتے ہیں کیوں ڈالتے
ہیں حالانکہ وہ تلخ ہوتی ہیں لیکن اس کے بغیر بات نہیں، زندگی
میں یہ نمک مرچ ہوتا ہے یہ کوئی نہیں یہ چلتا رہے گا اللہ کریم کی
معیت حاصل ہو اس کی یاد نصیب ہو اللہ کا ذکر نصیب ہو تو
یہ اس کی ہر ایذا جو ہے یہ ہمارے بیشمار خطاؤں کی بخشش کا
سبب بن جاتی ہے۔ ترقی درجات کا سبب بن جاتی ہے۔
تو حدیث شریف میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ مومن کے پاؤں
میں کانٹا چبھ جائے اس کے بدلے میں اس کی درجات بلند ہو جاتے
ہیں، وہ ضائع نہیں جاتا۔
یہ جو پریشانیاں چھوٹیاں موٹیاں بناتا ہے تو یہ تلافی مافات
اور ترقی درجات کا سبب بھی بنتی ہیں۔ ایسی کوئی گھبرانے کی بات
نہیں بات گھبرانے کی تب ہے کہ اللہ کی یاد چھوٹ جائے، یہ
ہے تو سب کچھ سلامت ہے۔

Phone: 525736

WAHID JEWELLERS

FOR

QUALITY GOLD JEWELLERY

4, SAIGAL MARKET,
ZAIBUNNISA STREET,
SADDAR, KARACHI.

شریعت اسلام اور تصاویر

یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ ۳۴-۳-۱۳

ترجمہ:۔ "بناتے اس کے واسطے جو کچھ چاہتا۔ قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولھوں پر جمی ہوئی۔"

تَمَاثِیْلُ:۔ تمثال کی جمع ہے۔ لغت عربی (قاموس) کے مطابق تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر۔ دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں۔ ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا جیسے پتھر، مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے جیسے درخت وغیرہ۔ جناب حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں بلکہ ہر قسم کے لیے عام تھیں۔ دوسرے تاریخی روایات میں تخت سلیمانؑ پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی شریعت میں جاندار چیزوں کی تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام نہیں تھا۔ مگر چونکہ پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائیں اور انہیں اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لیے رکھا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہوگی۔ مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصاویر کو اپنا معبود بنا لیا اور بت پرستی شروع ہوگئی

یعنی گزشتہ امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں شریعت اسلام کے لیے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رہنا مقدر من اللہ ہے۔ اس لیے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔ ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید و فروخت اس کی نقل و حرکت کی مزدوری۔ اس کی صنعت سب حرام کی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان۔

(۱) بروایت عبد اللہ بن مسعودؓ: اَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ: یعنی سب سے زیادہ سب سے سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

(بخاری و مسلم)

(۲) بروایت حضرت ابن عباسؓ: کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ۔ (صحیح مسلم)

اس دور میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپؐ کے عہد مبارک میں تصاویر کو جس حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا وہ ذریعہ بت پرستی بن سکتی تھی۔ لیکن آج کل تصویر سے وہ کام لیے جاتے ہیں کہ یہ ضرورت زندگی میں داخل ہو گئی ہے۔ اس میں بت پرستی اور عبادت کا کوئی تصور دور کا بھی نہیں تو یہ ممانعت جو بت پرستی کے خطرہ سے کی گئی تھی اب مرتفع ہو جانی چاہیئے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اولاً یہ کہنا بھی درست نہیں کہ آج کل تصویر ذریعہ بت پرستی نہیں رہی۔ اس لیے کہ آج بھی کتنے فرقے اور گروہ ہیں جو اپنے پیروں کی تصویر کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور حکم کسی علت پر دائر ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر فرد میں پایا جائے۔ علاوہ ازیں تصویر کی ممانعت کا سبب صرف ایک یہی نہیں کہ وہ بت پرستی کا ذریعہ ہے۔ بلکہ احادیث صحیحہ میں اسکی حرمت کی اور وجوہ بھی مذکور ہیں۔

۱۔ تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے۔ مصور حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور صورت گری دراصل اسی کے لیے سزاوار اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے کروڑوں افراد لیکن ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی انسان ہی کو دیکھیں کہ مرد اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز۔ پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہیں۔ یہ صورت گری اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قدرت میں ہے۔ جو انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا نقوش اور رنگ سے اس کی تصویر بناتا ہے۔ وہ گویا عملی طور پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے۔ اس لیے احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والے کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری نقل اتاری تو اس کو مکمل طور پر کر کے دکھاؤ کہ ان میں روح بھی ڈال کر دکھاؤ۔

۲۔ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے۔ گھر میں بسنے والوں کی عبادت و اطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے۔ جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہو گا تو شیاطین کے گھر لیتے ہیں اور اس میں بسنے والے کے دلوں میں گناہوں کے وساوس پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے "خانہ خالی را دیو می گیرد"

۳۔ تصویریں دنیا کی زائد از ضرورت زینت ہیں اور اس زمانہ میں جسطرح تصاویر سے چند فوائد حاصل کیے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی ان ہی تصاویر سے جنم لیتی ہے۔

غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں بلکہ بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دیدیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں یا امر میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی بدل نہیں سکتا۔

(معارف القرآن)

انجانے میں خود سے دھوکا

قاریہ

ہمارے معاشرے میں مرد استاد سے پڑھنا قابل قبول ہے۔ مرد ڈاکٹر سے علاج جائز ہے۔ درزی کو کپڑے کے لیے ناپ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ اپنے مرشد و شیخ سے دین سیکھنا، اللہ کا نام سیکھنا، ذکر سیکھنا غیر شرعی ہے۔

کسی شاعر نے ایک دفعہ انگریزی کے متعلق اپنی رائے کا خوبصورتی سے اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ ایسی ڈھیٹ ہے کہ کم بخت آتی ہے نہ جاتی ہے"

پاکستان بنتے ہی اسے لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہو گئی مگر ۴۲ سال گزر جانے کے باوجود وطن عزیز کے طالبعلموں کی اکثریت کو نہ تو یہ آتی ہے اور نہ ہی وطن عزیز سے جاتی ہے اور یوں لاکھوں طالبعلموں کی طرح ہم بھی اس سے نالاں ہی رہے جب کبھی بھی امتحانات آتے ہیں ہمیں سب سے زیادہ فکر اسی انگریزی کی ہوا کرتی تھی۔ اور نتیجہ نکلنے پہ یہی دعا ہوتی کہ والد صاحب کی نظر بس اس مضمون میں حاصل کردہ نمبروں پہ نہ پڑے ہاں دوسرے مضامین کا رزلٹ وہ بصد شوق ملاحظہ فرمائیں مگر جناب والد صاحب بھی سب سے پہلے اسی مضمون کے نمبر دیکھتے اور اس کے بعد کیا ہوتا؟ یہ ہمارا اور ہمارے والد صاحب کا معاملہ ہے۔ ہاں اتنا بتا دیتے ہیں کہ رزلٹ گھر میں آنے کے بعد ٹیوشن کا عذاب کسی نہ کسی ماسٹر صاحب کی صورت میں ہم پہ نازل ہو جاتا۔ بہر حال باقی جماعتیں تو جیسے تیسے ہم پاس کر گئے مگر جب آیا بی اے کا مرحلہ تو ہمارے ہوش اڑ گئے۔ گاؤن پہن کر ڈگری لینے کا ایک اپنا لطف اور جارم ہوتا ہے مگر ہمارے اس شوق کے پورا ہونے کی راہ میں بس ایک ہی رقیب روسیاہ کھڑا تھا اور وہ تھا یہی ظالم انگریزی کا مضمون کالج کی چار سالہ تعلیم پانے کے بعد ہمیں اپنے دانا و سمجھدار ہونے کا احساس بلکہ یقین ہو چکا تھا لہٰذا ہم نے والد صاحب کے سابقہ ماسٹر صاحبان کو نااہل قرار دے کر ایک دوست کے مشورے پہ مقامی بوائز کالج کے قابل ترین پروفیسر صاحب سے ٹیوشن پڑھنا شروع کر دی۔ یہ پروفیسر صاحب خالصتاً ہماری اس دوست کی بڑی بہن کی دریافت تھے۔ اور واقعی ہم آج تک ان باجی صاحبہ کے مشکور ہیں کیونکہ ان پروفیسر صاحب نے ہمیں حقیقتاً اس قابل بنا دیا کہ ہم گاؤن پہن کر ہاتھ میں ڈگری لیے مسکرا سکیں۔

تیری رحمتوں کے جوار میں
تیری عاطفت کے حصار میں
میں گناہگار پہنچ گیا
کوئی کام آیا لیا دیا

اسی دوران حسن اتفاق کہ ہماری وہی دوست جس کی بہن نے ہمیں ان لائق و تجربہ کار پروفیسر صاحب کی راہ دکھائی تھی جماعت میں شامل ہو گئی۔ گزشتہ ہفتے میں ان سے ملنے گئی تو معلوم ہوا کہ ان کی باجی کو ہمارے سلسلے کے "غیر شرعی" طریقہ پہ بڑا شدید اعتراض ہے۔ نہایت حیرت سے پوچھا کونسا طریقہ؟ تو جواب ملا یہی کہ خواتین ایک مرد سے ذکر سیکھنے کیوں جاتی ہیں؟ بالکل اسی نوعیت کا ایک سوال حضرت جی سے بھی پوچھا گیا تھا اس کا جواب تو حضرت مدظلہ نے نہایت خوبصورتی سے ارشاد فرما دیا لیکن یہاں ہم اپنی ان باجی صاحبہ سے جواباً ایک سوال پوچھتے ہیں کہ ان کے نزدیک بی۔ اے کے امتحان میں کامیابی زیادہ اہم ہے یا امتحان آخرت میں؟ اس امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے تو ہمیں ایک ایسے پروفیسر صاحب کی راہ دکھلا دی گئی جن کی فطرت و خصائل سے ہم

واقف تھے اور نہ وہ باجی صاحبہ اور ہم ان سے

SHE LISTENED WITH BIG-LIPPED,
SUEPEISE. BVEAST-DEEP MID
FLORER AND SPINE:
HEV SKIN WAS A GVAPE,
WHOCS VEING RUN SHOW
INSTED OF WINE.

جیسے شعروں کے مفہوم سمجھا کرتے کہ یہ ہمارے کورس میں شامل تھے، اور یوں انہیں پڑھنا ہماری مجبوری تھا۔

اس بات پہ عقل حیران ہے کہ ان انگریزی اور حساب پڑھانے والے مرد استادوں پہ کبھی بھی کسی کو اعتراض نہیں ہوا اور جب کبھی کسی کے دل میں کوئی اعتراض سر اٹھائے تو وہ فوراً اسے والدین کی مجبوری سمجھتے ہوئے مطمئن ہو جاتا ہے۔

فقط یہی نہیں ایف اے میں ویمن نیشنل گارڈ کے لیے مرد فوجیوں کے زیر نگرانی W.N.G کی تربیت حاصل کرنا بھی اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا کہ اس تربیت کو حاصل کرنے کے بعد ملنے والے بیس نمبر طالبات کے اگلی کلاسوں میں داخلے کے وقت داخلہ میرٹ پہ پورے اترنے میں کام آتے ہیں اور یوں بھی طالبات رائفل چلانا اور تھوڑی بہت فرسٹ ایڈ سیکھ لیتی ہیں اور یقیناً یہ دونوں چیزیں عملی زندگی میں فائدہ پہنچاتی ہیں۔

مرد اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے۔ مرد فوجیوں سے کی تربیت پانے کے علاوہ مرد ڈاکٹرز کے پاس جانے پر بھی کبھی کوئی معترض نہیں ہوا۔ استاد تو خیر تو ایک فاصلے پہ رہ کر تعلیم دیتے ہیں لیکن مریض کو ٹھونک بجا کر چیک کرنا ڈاکٹر کی مجبوری ٹھہری کہ مرض کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے یوں بھی اگر ڈاکٹرز ایسا نہ کریں تو مریض کو شکوہ رہتا ہے کہ توجہ سے چیک نہیں کیا گیا۔ عام بخار، زکام یا کھانسی میں شاید ہی کبھی کسی خاتون نے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا ہو۔

یہاں میں گانا یا ڈانس سیکھنے کے لیے مرد حضرات کی خدمات حاصل کرنے، بال کٹوانے کے لیے ہیئر ڈریسر کے پاس جانے اور لباس سلوانے کے لیے درزیوں کو جسم کی پیمائش کرنے کی اجازت دینے والے افعال کو دانستہ زیر بحث نہیں لاؤں گی کہ وہ ایک الگ موضوع ہے۔ لیکن میں جب مرد استادوں اور ڈاکٹرز کے پاس جانے کو عام سی بات سمجھنے والوں کو کسی پیر صاحب کے پاس خواتین کے جانے پر معترض پاتی ہوں تو واقعی حیرت ہوتی ہے سیدھی سی بات ہے کہ اگر دنیوی تعلیم کے لیے مرد استاد مقرر کیا جا سکتا ہے، مرد ڈاکٹرز سے رجوع کرنا جائز سمجھا جاتا ہے تو پھر بیچارے پیر یا مولوی نے کیا قصور کیا ہے؟ دراصل یہاں تو تعصب آ گھیرتا ہے یا پھر پیروں فقیروں کے متعلق عام نظریات آڑے آتے ہیں۔ جعلی پیروں اور پارسائی کا ملمع چڑھانے والے مولویوں نے لفظ مولوی اور پیر بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ پیر آخر ہوتے کیا ہیں؟ اس سلسلے میں حضرت جی مدظلہ کی خوبصورت تقریریں "المرشد" کے توسط سے ہم تک پہنچتی رہتی ہیں۔ لہٰذا میں اس موضوع کی تفصیل میں گئے بغیر مختصراً یہی کہوں گی کہ پیر یا شیخ روحانی معالج اور روحانی استاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو پھر اعتراض کرنے والو عزیزو! اگر جسمانی مرض کے لیے مرد ڈاکٹر کے پاس جانا غیر شرعی فعل نہیں تو پھر روحانی صحتیابی کے لیے کسی شیخ کے پاس جانا خلاف شریعت کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر دنیوی علوم کے لیے مرد استاد مقرر کیے جا سکتے ہیں تو پھر دینی اور روحانی علوم کے لیے کسی مرد کو بلانا کیوں جائز نہیں سمجھا جاتا؟

عجیب تر بات تو یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے خود شرعی پردے کی پابندی کس حد تک کرتے ہیں؟ اسلام نے تو ہر اس رشتے سے پردہ لازم قرار دے دیا ہے جس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک مسلمان خاتون کو ہر نامحرم سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ خالو اور بھتیجا بھی نامحرموں کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ فہرست پڑھ کر ممکن ہے کہ کچھ لوگ اسلام کے قانون کے پردہ پہ عملدرآمد کو مشکل تصور کرنے لگیں۔ خصوصاً ہمارے موجودہ معاشرے میں۔ تو دراصل ایسا اس لیے ہے کہ پردے کا تصور یا تو بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے یا پھر اسلام کی حدود سے بھی بالاتر سمجھ لیا گیا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے عورت کے لیے لازم ہے کہ اس کا پورا جسم ڈھکا ہوا ہو اور کسی طور بھی بدن کی ساخت واضح نہ ہونے پائے۔ ایسا پوری آستین اور مناسب حد تک تراش خراش کی قمیض پہ کھلا دوپٹہ (جو اس قدر موٹا ہو کہ بدن نظر نہ آئے) لے کر

پردے کی شرعی تقاضے کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں یوں بھی کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔ رہا چہرہ تو اوڑھنی پیشانی پر جھکا اور کسی حد تک چہرہ چھپا کر یہ مسئلہ بھی حل کیا جا سکتا ہے اور یقیناً اس حلیے میں کوئی بھی خاتون کسی بھی نامحرم کے سامنے آتے ہوئے دقت محسوس نہیں کرے گی بشرطیکہ وہ خود بھی پردہ کرنا چاہتی ہو۔

بعض گھرانوں میں خاتون کے نام اور آواز تک کو پردے میں رکھنا اسلام کے عین مطابق سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک نام کا تعلق ہے کہ میرے خیال میں اگر اسے پردہ میں رکھنا ضروری ہوتا تو پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کے نام کسی کو معلوم نہ ہوتے۔ رہی آواز تو اس سلسلہ میں حکم ہے کہ عورت نامحرم سے بات کرتے ہوئے نرمی، بناوٹ یا لوچ پیدا نہ کرے یعنی گفتگو عام، سادہ اور سپاٹ لہجے میں کرے اگر آواز کو بھی چھپا کر رکھنا ضروری ہوتا تو یقیناً آج ہمیں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ایک بھی ایسی حدیث پاک نہ ملتی جو کسی صحابی کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔

اول تو مجھے آج تک معترض خواتین و حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آیا جس نے اپنے قریبی نامحرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کیا یا کروایا یا وہ زندگی میں کبھی کسی مرد معالج کے پاس نہ گئے ہوں۔ مجھے ایک صاحب یاد آئے جو اس بات پر بڑے بلند لیکچر دیا کرتے تھے کہ خاتون کسی پیر کے پاس نہ جائے وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان کی وعظ سے خاصے متاثر تھے کہ صاحب پردے کے پابند ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ایک دوست کو انکے ہاں کھلے عام آتے جاتے دیکھا تو حیرت سے پوچھا آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟ تو جواب ملا "میرے یہ دوست نہایت شریف النفس ہیں"۔ کیا یقیناً ہوں گے مگر وہ شرعی تقاضے؟ اور پھر کیا پیر یا شیخ شریف النفس نہیں ہوا کرتے؟ یا نہیں ہو سکتے؟ گویا یہاں بھی ہاتھ اسی تعصب کا تھا جو ہماری ہر برائی کو نیکی اور دوسرے کی نیکی کو بھی برائی میں بدل دیتا ہے۔ تو پھر یہاں ہم سوائے اس کے اور کہیں۔

کون خسارے میں رہتا ہے وقت تمہیں بتلائے گا
ہم سے تمہیں الجھانے میں خود سے دھوکا کھا بیٹھے ہو

بات سے بات نکل آئی۔۔۔ لیکن بہر حال اگر کوئی واقعی پابند شریعت بندہ اس بات پر معترض ہے کہ خواتین ذکر سیکھنے کیلئے کسی مرد کے پاس کیوں جاتی ہیں؟ تو میں ان سے فقط یہی پوچھوں گا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خواتین مسائل پوچھنے نہیں آیا کرتی تھیں؟ ازواج مطہرات کی موجودگی کے باوجود خواتین رحمت دو عالمؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا کرتی تھیں؟ اگر اسلام میں کوئی اس قسم کی پابندی ہوتی تو یقیناً خداوند تعالیٰ کوئی ایسا حکم ارشاد فرما دیتے کہ خواتین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات سے رجوع کریں بلکہ مجھے یہاں ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ ایک خاتون نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ کوئی چیز لینے کے لیے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو آپؐ نے فرمایا "یہ کیا ہے؟" وہ بولی "جی ہاتھ ہے"۔ "کس کا ہاتھ ہے؟" رحمت دو عالمؐ نے پوچھا۔ "میرا" اس نے جواب دیا۔ "تم کون ہو؟" آپؐ نے مزید پوچھا۔ "عورت ہوں" اس نے کہا۔ رحمت دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا "تو پھر اس پر کچھ لگاؤ کچھ پہنو پتا چلے کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے"۔

آج اگر کوئی شیخ یہ بات کہہ دے تو نجانے کتنے نقاد فتویٰ لیے دوڑ کھڑے ہوں یہ دیکھے بغیر کہ شیخ کی نیت یا مقصد کیا ہے؟ اس واقعہ میں بھی دراصل نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ فرمایا ہے کہ زیبائش عورت کا حق ہے بشرطیکہ اس میں اسراف و نمائش نہ ہو۔

شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے جن کا میں شروع میں ذکر کر چکی ہوں، کوئی بھی خاتون شیخ کے پاس رجوع کر کے اس کا روحانی استادی نہیں روحانی معالج بھی بن جا سکتی ہے۔ معترض خواتین و حضرات اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو شیخ یا پیر کے پاس جانے سے انہیں کوئی شرعی حد ٹوٹتی نظر نہیں آئے گی۔

آؤ سب مل کے چلیں اہل نظر کی جانب
جہاں آغاز کا خدشہ ہے نہ انجام کا ہے

ہاں اس کے لیے پہلے ہمیں اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینکیں اتارنا ہوں گی کہ ورنہ سرخ عینک میں تو سب سرخ سرخ ہی نظر آئے گا۔

اصلاحِ قلب

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولم یھد للذین یرثون الارض ...... اکثرھم الفسقین ۰ (نواں پارہ سورۃ اعراف ہے)

قرآن حکیم کو ہم جہاں سے بھی کھولیں۔ جب بھی ہدایت بیان فرماتا ہے ہدایت کا بنیادی سبب قلب کی روشنی دل کا نور اور دل کی اصلاح ہی کو قرار دیتا ہے اور گمراہی کا سبب دل کی تاریکی قرار دیتا ہے تلاش نہیں کرنا پڑتا بلکہ کہیں سے کھولیں ہر جگہ جہاں بھی یہ بحث آپ کو ملے کہ کونسی قوم گمراہ ہوئی اور اس کی گمراہی کے اسباب کیا تھے۔ بنیادی سبب ان کے قلب کی تاریکی ہوگا پھر آگے کچھ مزید اسباب پہ بحث ہوگی کہ قلب کیوں تاریک ہوجاتے ہیں اسی طرح اگر کسی کی ہدایت کی تعریف کی گئی ہوگی تو اس کا ہدایت پر قائم رہنے کا بنیادی سبب اس کے قلب کی نورانیت یا اصلاح ہوگی اور پھر وہ ذرائع بیان کیے جائیں گے جن سے قلب روشن ہوتا ہے اور یہ کسی دو مقام پہ نہیں بلکہ بنیادی نکتہ ہے جس پر قرآن حکیم کی ساری تعلیمات کا مدار ہے۔

جب وجود انسانی کی بات ہوتی ہے تو ایک ایک عضو انسانی کے لیے ایک خاص ورزش لازمی قرار دی جاتی ہے پاؤں کے لیے یہ ورزش کی جائے، گھٹنوں کے لیے یہ ورزش کی جائے۔ کمر کے لیے یہ ورزش کی جائے، بازوؤں کے لیے یہ ورزش کی جائے گردن کے لیے یہ ورزش کی جائے، آنکھوں کے لیے یہ ورزش ہوتی چاہیے۔ ایک ایک عضو بدن کے لیے حتیٰ کہ کوئی بھی حصہ ایسا نہیں ہے۔ مسل کے لیے کانوں کے مسلز کے لیے اور ان کے باقاعدہ سکول ہیں جہاں باقاعدہ محنت کی جاتی آپ کہیں چلے جائیں کسی سے بات کرکے دیکھیں تو اسے اتنا لازمی اتنا ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ ہمارے دل تک کو تلقین کی جاتی ہے کہ آپ اگر کچھ بھی نہ کر سکتے ہوں تو کمرے میں ہی چل پھر لیا کریں۔ جتنی قوت برداشت ہے اتنا ضرور چلیں کہ اعضاء و جوارح ایک جگہ جامد نہ ہو جائیں۔ لیکن اس بات پہ بڑی حیرت ہوتی ہے کہ قرآن حکیم جب قلب کی اصلاح پہ اس قدر زور دیتا ہے یا قلب کی تاریکی پہ اخروی تباہی کا مدار رکھتا ہے۔ بڑی تاکید کرتا ہے اس طرف بالخصوص مسلمان قوم اور مسلمانوں میں سے علماء کا طبقہ اس طرف توجہ کم دیتا ہے۔ اس طرف سے یوں گزر جاتے ہیں گویا اس کے ساتھ کسی کا تعلق ہی نہیں ہے یا اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے یہ کام خود بخود ہو جائے گا باقی کام خود بخود نہیں ہوتے پڑھنے کے لیے بچے کی عمر کا پندرہ سولہ سال لگا دیتے ہیں آپ کبھی نہیں سوچتے کہ معاشرہ میں جب رہتا ہے تو خود بخود پڑھ جائے گا اس کے ارد گرد لوگ پڑھتے لکھتے ہیں یہ پڑھ ہی جائے گا۔ باقاعدہ اس کو تیار کرکے آپ سکول بھیجتے ہیں محنت کرتے ہیں اس پہ پیسہ خرچ کرتے ہیں پھر اس کے باوجود یہ فکر ہوتی ہے کہ یہ صحیح بھی پڑھتا ہے؟

اسی طرح کسی فن کو سیکھنے کے لیے آپ وقت وقف کر دیتے ہیں کسی بھی دنیوی کام کو اس کے حاصل کرنے کے لیے خواہ وہ دیوار چنانے کا فن ہو موٹر چلانے کا فن ہو کپڑے سینے کا فن ہو یا جوتے بنانے کا فن ہو اس کے لیے آپ وقت لگاتے ہیں اس کے لیے آپ کسی استاد کو تلاش کرتے ہیں آپ اس سے سیکھنا چاہتے ہیں کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ یہ سارا کام تو معاشرے میں ہو رہا ہے ہمیں بھی آجائے گا خود بخود ہو جائے گا جب ہم روزانہ کپڑے پہنتے ہیں تو سینے کی بھی سمجھ

آجائے گی ہم جوتے استعمال کرتے ہیں تو بنانے کی بھی سمجھ بھی آجائے گا۔ گھروں میں ہم رہتے ہیں مکان بنانے کی سمجھ بھی آجائے گی۔ کبھی کوئی اس طرح سے نہیں سوچتا بلکہ ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ یہ ایک فن ہے اور کسی صاحب فن کے پاس وقت لگانا پڑے گا اس کی باریکیاں اس کی خوبیاں اس کی خامیاں اس کے بنانے کے لیے جو ضروریات ہوتی ہیں اس پر یہ محنت چاہیئے اور اس طرح سے یہ حاصل ہوگا۔ وقت دینا پڑے گا تب جا کر یہ بات بنے گی۔

لیکن اتنا ضروری موضوع جس پہ انسان کی دائمی زندگی کا مدار ہے اس پہ سے ہر کوئی شخص گزر جاتا ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ از خود ہو جائے گا۔ کیسے ہوگا جب دنیا کا کوئی کام از خود نہیں ہوتا آپ کسی بھی کام پر بھروسہ نہیں کرتے کہ از خود ہو جائے گا تو یہ اتنا بڑا کام اتنا نازک کام کیسے از خود ہو جائے گا۔

اس کی شرح نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ انسانی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے وہ ٹکڑا سنور جائے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے لیکن اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے اس میں بگاڑ پیدا ہو جائے وہ اپنی اصل سے ہٹ جائے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

فرمایا! یہ یقینی بات کان کھول کر سن لو یہ قلب ہے پھر باوجود اس کے کہ یہ کمال ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جو ایمان لائے ان کے سامنے جائے بیک نگاہ اس کا قلب کمالات کی انتہا کو پا لیتا ہے اس کے باوجود صحابہ کرام میں ایسے لوگ ملتے ہیں جنہوں نے خصوصی استدعا کی کہ یارسول اللہ میرے قلب پر خصوصی توجہ دی جائے۔ مزید اصلاح کی ضرورت ہے ایسے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے سینے پر ہاتھ پھیرنے کی درخواست کی۔ خصوصی توجہ کی درخواست کی۔ یعنی باوجود اس کے کہ وہ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔

اور صحابی ہونا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ نہ صرف قلب بلکہ صحابی کا سارا وجود ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط قرآن حکیم صحابی کی تعریف میں فرماتا ہے کہ ان کی کھال سے لے کر قلب تک ایک ایک ذرہ بدن ذاکر ہو گیا اس کے باوجود انہیں تسلی نہیں ہوتی تھی یا

پھر بات دل میں رہ گئی تھی کہ کچھ کمی باقی ہے۔

ایک دفعہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت فرماتے ہوئے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کو تم پہ نماز روزے سے فضیلت نہیں ہے یا اور کسی وجہ سے فضیلت نہیں ہے بلکہ اس کی فضیلت کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ میرے سینے میں تھا میں نے اس کے سینے میں انڈیل دیا ہے یعنی ان کے قلب نے جو میرے قلب اطہر سے حاصل کیا ہے جتنا کچھ اخذ کیا ہے وہ کوئی دوسرا قلب حاصل نہیں کر سکتا۔

اور حیرت اس بات پہ ہوتی ہے اور یہ بھی اس دور کی مصیبت ہے اس سے پہلے یہ اس طرح کی مصیبت نہیں تھی کسی کو یہ نعمت ملتی تھی یا نہیں ملتی تھی اس کی تلاش مسلمانوں میں عام ہوتی تھی آج سے پہلے آپ علماء کی سوانح پڑھیں تو ہر عالم کی سوانح حیات میں آپ کو یہ بات ملے گی کہ فلاں مدرسے سے علم حاصل کرنے کے بعد فلاں بزرگ کی خدمت میں اتنا عرصہ رہے یہ ہر عالم کا طریقہ ہوتا تھا اور پہلے مدرسے بھی یہ خیال رکھتے تھے کہ جو فارغ ہوتے تھے ان کو مشائخ کی خانقاہوں میں بھیج دیتے تھے کہ وہ وہاں رہ کر اصلاح قلب کا اہتمام کریں ان کے پاس صرف الفاظ کا ذخیرہ نہ ہوتا تھا بلکہ کچھ کیفیات بھی ہوں جن میں نورانیت بھی ہو اس کے سینے میں اللہ کا نام بھی ہو۔ بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ جس طرح سے ذکر کرتے ہیں یا کراتے ہیں اگر یہ باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں چلو ہم مان لیتے ہیں کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں ہے تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے اسے ہمیں روکنا نہیں چاہیے اسے چاہیئے کہ وہ ہمیں صحیح طریقہ بتا دے کہ اصلاح قلب کا صحیح طریقہ کیا ہے اس طریقے کو اس نے کہاں آزمایا کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی کتنے لوگوں کو فائدہ ہوا اگر یہ سوال اس طرح سے کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ خود کچھ نہیں کر رہے اور جو کر رہا ہے اسے صرف روک دینا مقصود ہے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔

حالانکہ ذکر کے کسی طریقے پہ اللہ کریم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی نہیں لگائی ذکر کے

تمام طریقوں پر ایک ہی پابندی ہے کہ آپ کوئی ایسا طریقہ ایجاد نہ کریں جو خلاف شریعت ہو۔ جس میں شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہو جس میں کسی دوسرے کے کوئی حقوق ضائع ہوتے ہوں یا جس میں کوئی گناہ پیدا ہوتا ہو۔ اللہ اللہ خیر صلیٰ۔ حدود شرعی کے اندر بیٹھ کر آپ ذکر کرتے ہیں آپ بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں آپ کھڑے ہو کر ذکر کرتے ہیں آپ لیٹ کر ذکر کرتے ہیں آپ چلتے پھرتے ذکر کرتے ہیں جس کیفیت سے کرتے ہیں اللہ نے اجازت دی ہے اس پر پابندی لگانے کی کیا ضرورت ہے نماز کی صورت مقرر ہے زکوٰۃ کے اوقات اس کی صورۃ مقرر ہے حج کے اوقات اور اس کی صورۃ مقرر ہے لیکن ذکر کی کوئی معین صورت مقرر نہیں ہے مطلق حکم ہے ذکر کرو اور مسلسل کرتے رہو۔ کیسے کرو۔ فرمایا ہر حال میں کرو کھڑے ہوئے کرو بیٹھے ہوئے کرو لیٹے ہوئے کرو سوتے ہوئے کرو جاگتے کرو کوئی لمحہ تمہارا خالی نہ ہو اس پر صرف پابندی ایک ہے کہ ہمارا کوئی بھی کام ان حدود کو توڑنے کا مجاز نہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرما دیں۔

تو کسی کو کسی ایک طریقے پر پابند کرنا نہ ہمارے بس میں ہے کہ ہم کسی کو کہیں کہ جس طرح ہم ذکر کرتے ہیں تم بھی اسی طرح کرو ورنہ جس طرح تم کرتے ہو اس طرح گناہ ہے یہ ہمارے لیے بھی درست نہیں ہے نہ کسی دوسرے کو یہ حق شریعت نے دیا ہے کہ وہ ہم پر کوئی پابندی لگائے۔ ذکر کے طریقوں کی بات نہیں ہے دراصل بات ذکر اذکار میں اس توجہ کی ہے جو ذاکرین کو شیخ کی طرف سے نصیب ہوتی ہے اصل چیز وہ ہے اگر توجہ نصیب نہ ہو ساری زندگی ذکر کرتا بھی رہے تو شاید وہ ایک لطیفہ قلب بھی منور نہ کر سکے چونکہ از خود یہ کرنے کا کام نہیں ہے اس کے لیے توجہ کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح کسی کے پاس کھیت بھی ہو کھاد بھی ہو پانی بھی ہو ہل بھی جوتتا رہے لیکن بیج اس کی ضرورت ہے فصل کے لیے۔ جب تک اس میں کوئی دانہ نہ گرے گا ساری محنت ساری مشقت ساری آبیاری ہوتی رہے اس میں فصل نہیں آئے گی۔ محنت بھی ضروری ہے آبیاری بھی ضروری ہے یہ ساری چیزیں ضروری ہیں لیکن اس کے ساتھ تخم ریزی کی بھی ضرورت ہے بنیادی ضرورت ہے جب ہم تخم ریزی ہی نہیں کریں گے سارا کچھ کرتے رہیں زمین بھی اچھی ہو زرخیز ہو کھاد بھی ڈالتے رہیں پانی بھی ڈالتے رہیں تو ایک محنت ہے جو آپ کر رہے ہیں پھل تو نہیں آئے گا۔

اسی لیے یہ کام از خود نہیں ہوتا یہ فرائض نبوت میں سے ہے تزکیہ قلوب یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فرائض نبوت میں سے ہے نبی کریمؐ نے فرمایا صحابہ کی صحبت میں رہ کر تابعین کا تزکیہ ہوا تابعین کی صحبت میں بیٹھ کر تبع تابعین کا ہوا اور جس طرح علم سیکھنے کے لیے آدمی کو استاد کی خدمت میں رہ کر اس کو حاصل کرنا پڑتا ہے اسی طرح کسی شیخ کی صحبت میں بیٹھ کر اس کو توجہات باطنی حاصل کرنا پڑتی ہے ان کے ساتھ محنت و مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ روئے زمین پر آتے ہیں جن کے حصے میں زمین آتی ہے جو زمین کے وارث ہوتے ہیں ان کی ہدایت کے لیے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ یہ زمین پر آنے والے پہلے لوگ بھی یعنی ہدایت کے لیے سوچنے کے لیے تو اتنا کافی ہے کہ یہ اسی بات کو سوچ لیں کہ یہ پہلے انسان نہیں ہیں یہ سب کچھ ان کا نہیں ہے ان سے پہلے کسی اور کا تھا۔ وہ کہاں گئے ان سے پہلے کسی اور کے پاس بھی اس ملک کی حکومت تھی کوئی یہاں بادشاہ بھی تھا کوئی یہاں وزیر بھی تھا یہ زمین بھی کسی کی جائیداد تھی ان گھروں کا بھی کوئی مالک تھا یہ کارخانے بھی کسی کے پاس تھے وہ کہاں گئے اگر پہلے نہیں رہے تو یہ اس دنیا پر تھم کر رہ سکیں گے۔ نہیں رہ سکیں گے تو جہاں جانا ہے اس کے لیے ان کے پاس کیا زاد راہ ہے وہاں کی کیا تیاری کر لی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں سمجھنے کے لیے تو اتنا بھی کافی ہے انسان کے لیے کہ پہلے کا رخصت ہو جانا ہی بہت بڑا درس عبرت ہے۔

ایک آدمی اسی گھر میں بچہ ہوتا ہے پھر اسی گھر میں وہ بابا بھی ہوتا ہے جنہیں وہ بابا کہا کرتا تھا ان کے نام سے بھی اس کے بچے واقف نہیں ہیں کیونکہ وہ فوت ہو گئے ان کا قد کیا تھا ان کا نام کیا تھا حلیہ کیا تھا کردار کیا تھا کیسے لوگ تھے کوئی نہیں جانتا بھی نہیں تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک پشت بعد کوئی اس کا جاننے والا نہیں ہوگا اس کے

جاننے والے بھی ہیں جو اس کی گود میں پل رہے ہیں جب ان کی نسل آئے گی تو وہ تو نہیں جانتے ہوں گے

فرمایا اگر ہم چاہیں تو فوری گرفت بھی کر لیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ گرفت واقعی فوری ہو جاتی ہے لوگوں کو سمجھ نہیں آتی آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا زمین پھٹتی نہیں ہے لیکن ایک بات جو ہوتی ہے وہ غیر محسوس طریقے پہ ہو جاتی ہے۔

لَقَدْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

ان کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے ان کی سمجھ ہیں بھی نہ آئے کہ بھلے برے کی تمیز ہی اٹھ جائے فرمایا جب اللہ کی گرفت آتی ہے تو یہ نہیں ہوتا یہ ضروری نہیں اس پہ کوئی آزمائش پڑ جائے یہ ضروری نہیں اس کی وجہ سے پہلی قوموں کی طرح غضب آجائے یہ ضروری نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک بہت بڑا عذاب ہے کہ ہم اس کے دل پہ مہر کر دیتے ہیں اور اسے بھلے برے کی تمیز ہی نہ رہے آپ اسے سناتے رہیں قرآن پڑھتے رہیں حدیث سناتے رہیں نیک باتیں بتاتے رہیں اسے کچھ فرق ہی نہ پڑے تو یہاں بھی قرآن حکیم نے عذاب الٰہی کی خطرناک ترین جو صورت ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کسی کے پاس مال بھی رہے کسی کے پاس طاقت بھی رہے اقتدار بھی رہے حکومت و سلطنت بھی رہے سب کچھ دنیا کی دولت اور اقتدار بھی رہے لیکن اگر اس کے دل پر مہر کر دی جائے۔ یعنی اسے بہت سخت سزا دے دی گئی اور اس پر بہت سخت عذاب نازل ہوا کہ وہ پھر کسی قابل ہی نہیں رہتا اس میں یہ استعداد ہی نہ رہی کہ وہ برائی کو بھلائی سے تمیز کر لے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ۔ فرمایا یہ آبادیاں جو اجڑ چکی ہیں جن کی دن رات کہانیاں واقعات سناتے ہیں یہ سارے اسی طریقے کار سے گزر کر تباہی کے کنارے لگے اگر دل تباہ ہو جائے تو انسان میں سمجھ نہیں رہتی اس کا قد کاٹھ یا حلیہ اعضاء جوارح وہ رہ جاتے ہیں اس کا کردار جانوروں سے درندوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

اور یہاں تو اللہ کا شکر ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم گنہگار ہیں مسلمان تو ہیں کچھ شرم تو ہے یہاں پہ۔ آپ ان ممالک میں دیکھیں جہاں اسلام نہیں ہے تو وہاں سمجھ آتی

> جب کو تین حالتوں میں سکونِ قلب حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس پہ بابِ رحمت بند ہے۔ اول تلاوت کلام پاک کے وقت۔ دوم حالت نماز میں۔ سوم ذکر و شغل کے وقت۔
>
> (حضرت ابراہیم ادھم)

ہے کہ کوئی انسانی معیار نہیں ہے۔ کھانے پینے میں، تعلقات میں کوئی شرم قسم کی یا حیا قسم کی شرافت قسم کی کوئی چیز نہیں درندگی حیوانیت، بربریت اور ہر طرح کا ظلم ہر طرح کی بے راہ روی ہر طرح کی خرابی ہر طرف چھائی ہوئی ہے اس کی وجہ دلوں کی صفائی نہیں ہے ورنہ وجود ان کے بڑے صحت مند ہیں۔ مال و دولت ان کے پاس بڑا ہے اقتدار ان کے پاس ہے ان کے پاس دنیوی مال و اسباب ہیں دنیوی نعمتیں بڑی ہیں کبھی آپ نے دیکھا ہے جانور میں کوئی شرم نام کی کوئی چیز ہوتی ہے بالکل یہی حال ان کی زندگی کا ہے۔

فرمایا یہ لوگ جو تباہ ہوئے میں نے انہیں چھوڑ نہیں دیا تھا ان کے پاس بھی میرے رسول آئے اور وہ بھی ایک واضح اور روشن دلیلیں لائے لیکن یہ اس چیز کا انکار کر چکے تھے اسے نہیں مانا۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اس لیے کہ جب اللہ دلوں پہ مہر کر دیتے ہیں تو نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ نبی کی تعلیم بھی اثر نہیں کرتی کسی واعظ کا وعظ کیا اثر کرے گا کسی مبلغ کی تبلیغ کیا اثر کرے گی۔ کسی مصنف کی کتاب کا کیا اثر مرتب ہوگا۔ اللہ کی کتاب اثر نہیں کرتی۔ انبیاء و رسل کے ارشادات اثر نہیں کرتے جب تک قلب میں دل میں استعداد پیدا نہ ہو۔

تو فرمایا جب دل تباہ ہوتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ج۔ پھر ایسے انسان کی کسی بات پہ کوئی بھروسہ نہیں رہتا اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم ان کو کسی بات پر قائم نہیں پاتے دین تو دین رہا یہ کفر کے بھی وفادار نہیں رہتے یعنی ان کی ساری توجہ جو ہوتی ہے وہ محض خواہشات پوری کرنے پہ ہوتی ہے ان کی وفا کفر کے ساتھ بھی نہیں ہوتی یہ

کسی بات پر جم کر کھڑا ہونے کی استعداد سے ہی محروم ہو جاتے ہیں وَ اِنَّ وَجَدْنَا اَکْثَرَھُمْ لَفٰسِقِیْنَ ۔ اور دوسرا وصف ان میں یہ ہوتا ہے کہ ان کا جو دل ہے برائی کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ کردار برائی افکار برائی برائی ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتی ہے۔ اب عجیب بات یہ ہے کہ ہم مادی اعتبار سے تو سمجھتے ہیں کہ جو مرض یورپ میں ہوا آسٹریلیا میں ہو یا کسی اور براعظم میں جہاں بھی ہو اس مرض کے اثرات وہیں ہوں گے مثلاً

وہاں ایڈز کی وبا پھیل چکی ہے اب میں یہ نہیں کہتا کہ ایڈز صرف امریکہ میں ہوگی یا ایڈز صرف برطانیہ میں ہوگی یا ہم اس کے خلاف احتیاط نہیں کرتے یہاں ہوگی تو یہاں بھی اس کے اثرات موجود ہوں گے اگر کسی کو یہاں بخار ہوتا ہے جو اس کی علامتیں ہیں جو تکلیف یہاں مریض کو ہوتی ہے کسی کو امریکہ میں بخار ہوتا ہے تو اس کی علامات بھی وہی ہیں اس کے اثرات اور نتائج وہی ہیں یعنی مرض جو ہوتا ہے بحیثیت انسان کے ہوتا ہے مذہب کی سربلندی کی حیثیت سے نہیں ہوتا یا قوم کی حیثیت سے نہیں ہوتا کسی عقیدے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ محض انسانیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اسی طرح جب دل بگڑتے ہیں تو کسی کا یورپ میں بگڑ جائے تو نتائج مرتب ہوں گے اور اگر یہاں بیٹھ کر بگڑ جائے تو وہی نتائج یہاں بھی مرتب ہوں گے ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے دل تباہ ہو گئے تو ان کے نتائج وہی بھگتیں گے تباہ ہو گئے تو ہوتے رہیں ہمیں خیر ہے اگر وہاں کوئی مرض ہوتا ہے تو اسے ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں مرض آ گیا تو بڑی تباہی آئے گی بدن پر امراض وہی اثرات لاتے ہیں تو دل کے امراض جو وہاں ہیں اگر وہ یہاں آ جائیں تو کیا وہی نتائج نہیں ہوں گے کیا وہی بے راہ روی نہیں ہوگی۔ وہی خرافات نہیں ہونگی وہی بے حیائی نہیں ہوگی جو خرابیاں یا جو تکلیفیں ان امراض میں وہاں ہیں یہاں بھی ہوں گی اور یہ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ شب و روز کی تبلیغ کا کیا ثمر ہے۔ محض تبلیغ بجائے خود ایک فریضہ ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن تبلیغ ایک ذریعہ ایک سبب ہے۔ کسی کام کے لیے تبلیغ کی جاتی ہے تو جس کام کے لیے تبلیغ کی جاتی ہے وہ کام ہی یہی ہے کہ دل کی اصلاح کی جائے اگر وہ کام نہ کیا جائے۔

آپ کھانے کی تلقین کرتے رہیں اور عمر بھر کسی کو کھانا نہ دیں تو تلقین کس کام کی۔ تو کم از کم میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ ہمارا اس کام کا۔ جو لوگ قرآن مجید کو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں جو لوگ قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم لکھتے ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے حیرت اس وقت ہوتی ہے جب وہ خود اپنے قلم سے اس کی ضرورت لکھتے ہیں خود ان کتابوں میں جو خود انہوں نے لکھی ہیں۔ مقدموں میں ان شرحوں میں جو انہوں نے خود لکھی ہیں وہ خود ان کی ضرورت کا اقرار کرتے ہیں لیکن جب علمی میدان میں آ جائیں تو اس کا انکار کر دیں گے ضرورت ہی نہیں

تو جب تاتاریوں نے بغداد کو تاراج کیا تھا تو وہاں علم کی کمی نہیں تھی بے شمار کتب خانے تھے آج تک امت مسلمہ دکھ محسوس کرتی ہے کہ اتنا ذخیرہ علم تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہو گیا ہر گلی میں مناظرہ ہوتا تھا ہر محلے میں جلسہ ہوتا تھا لیکن نتیجہ کیا ہوتا تھا کہ کتب خانے بھی تباہ ہو گئے قوم بھی تباہ ہو گئی ملک بھی تباہ ہو گئے شہر بھی تباہ ہو گئے حکومتیں بھی تباہ ہو گئیں اور یہ اس لیے کہ سارا معاملہ زبان زبان پر تھا دل جو تھے وہ ویران ہو چکے تھے اور نتائج دل کی کیفیات پر مرتب ہوتے ہیں زبان کے کہنے پر نہیں۔

یہی ارشاد فرمایا گیا کہ یہ جو پہلے لوگ تباہ ہوئے جو پہلی بستیاں اجڑ گئیں جو پہلے ویرانے ہو گئے ان کے دل تباہ ہو گئے تھے آج کے لوگوں کو بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کیا ان کے دل میں حیات باقی ہے اگر دل زندہ ہے تو اللہ کی اطاعت اس کی ضرورت ہے اس کی غذا ہے کوئی زندہ چیز غذا کے بغیر نہیں رہتی اور اگر وہ ضرورت کو محسوس نہیں کرتا تو اگر زندہ بھی ہے تو بے ہوش ہوگا بیمار ہوگا کیوں اسے بھوک نہیں لگتی۔ جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں اللہ کریم کی عطا سے وہ یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے دل کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتا تب تک کامیابی نہیں ہوتی۔

اللہ کریم اس کی توفیق ارزاں فرمائے۔

آئندہ کے پروگرام

- دورہ امریکہ و کینیڈا : یکم جون سے ۱۵ رجون تک ——— قیام ۱۵ رات
- واپسی دارالعرفان ۱۸ رجون کو متوقع ہے۔
- دورہ کوئٹہ : ۳ رجولائی سے ۵ رجولائی تک ——— قیام ۳ رات

سالانہ اجتماع

دارالعرفان منارہ

۲۰ رجولائی ۸۹ء سے ۲۶ راگست ۸۹ء

- ۱۹۸۹ء کے ہفت روزہ اجتماعات ۔ دارالعرفان ۔ منارہ

۱ ۱۷ رجون سے ۲۳ رجون تک

۲ ۳ رنومبر سے ۱۰ رنومبر تک

۳ ۱۲ ردسمبر سے ۱۹ ردسمبر تک

نوٹ :۔ اجتماعات کے اختتام پر حاضری مرشد آباد ہوگی۔

- اجتماع لنگر مخدوم ۵ راکتوبر سے ۷ راکتوبر ۱۹۸۹ء

Phone : 516734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۱۶۷۳۴

گھر: ۴۴۸۹۱۶

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت
کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳ سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲- ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی۔